

جز شانزدہم

کیونکہ علم نور ہے۔ منشاء انکشاف ہے جس کا ادراک عام نہیں۔ اُس کو انکشاف بھی کامل نہیں۔

اسے طالب کہیں تم کو مخلوقات کا باہمی تفاعل مجاب و رد کے وحدت نہ ہو جائے۔ اور تم کہہ اٹھو۔ کہ یہ قول ہرگز درست نہیں کہ خلق ذات حق کی عین ہے۔ اُس سے وابستہ ہے۔ کیونکہ میں نے تم کو بتا دیا ہے کہ اسمائے الہیہ میں بھی تفاعل ہے۔ تو کیا تم کو اس میں بھی شک ہے کہ اسمائے الہیہ میں عین ذات حق اور اُن اسماء کا مدلول و مسمیٰ اللہ کے سوا کوئی اور نہیں۔

لہذا حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے نام کو اللہ کے نام پر بکثرت پڑھتے کرتے جیسے کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ اور ابتدا کے خط اَنّہ میں سلیمان سے اور اس کے بعد وَاَنّہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت سلیمان نے حق تعالیٰ کی رحمت اِقتنائی سے وجود حاصل کیا ہے نہ وہ کہ الرحمن الرحیم کو اپنے نام سے مقدم کرتے تاکہ مرحوم کی نسبت راحم سے یعنی سلیمان کی نسبت رحمن و رحیم سے صحیح ہو۔ ان مفسرین کا قول علم حقایت و حکمت کے برعکس ہے کیونکہ حکمت کا اقتضا ہے تقدیم حاققہ التقدیم اور تاخیر حاققہ التاخیر یعنی مناسب ترتیب جس کو پہلے رکھنا ہے اُس کو پہلے ہی رکھنا چاہیے اور جس کو بعد رکھنا ہے اُس کو بعد ہی رکھنا چاہیے۔ اور تقدیم و تاخیر بلحاظ استحقاق و مرتبہ ہے۔ ہر شے کو اس کے محل پر رکھنا ہی تو حکمت ہے۔

بی بی بلقیس کی حکمت اور اُن کے علوئے علم سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے اُس شخص کا نام نہیں پوچھا جس نے سلیمان کا خط پہنچا یا تھا۔ یہ اس لیے کیا کہ اپنے متعلقین کو معلوم کرائیں کہ اُن کو ایسے امور سے بھی تعلق ہے جن کے طریقوں سے وہ واقف نہیں۔ اور یہ بھی تعلیم و تدبیر الہی سے ہے امور مملکت میں۔ کیونکہ جب بادشاہ کو طرف پہنچنے والے اخبار کا علم رکھا گیا تو نہیں ہوتا۔ اور لوگ یہ جانتے ہیں کہ اُن کے بادشاہ کو

نصیہ اطلاعات پہنچ جاتی ہیں۔ تو حفظ و ضبط ملک اس اچھی طرح ہوتا ہے۔ جزو شانزدہم
 رعایائے سلطنت ڈرنے لگتی ہے۔ اور لوگ کوئی کام ایسا نہیں کرتے۔ کہ
 اگر اُس کی اطلاعی سلطان کو پہنچ جائے تو ہدف بلا ہو جائیں۔ اسی لیے بادشاہ
 نصیہ پولس کو پوشیدہ جو اسیس کو لگائے رکھتے ہیں۔ اگر رعایا کو معلوم ہو جاتا ہے کہ
 بادشاہ کو فلاں ذریعے سے اطلاعات پہنچتے ہیں تو اُس سے ساز باز کر لیتے ہیں۔
 رشوت دیتے ہیں۔ خوشامد کرتے ہیں۔ تاکہ جو چاہیں کر سکیں اور شاہ کو
 اطلاع نہ ہو۔

بلقیس نے کہا۔ میرے پاس خط لایا گیا ہے۔ لانے والے کا نام نہیں
 بتایا۔ یہ اُن کی سیاست تھی جس سے رعایا اور مدبرین خاص بھی پُر حذر
 رہتے تھے۔ اس حسن سیاست کی وجہ سے بلقیس کو دوسروں پر تقدیم
 و فضیلت تھی۔

انسانی عالم اور جہتی عالم میں کون زیادہ ہے۔ کون قوی تر ہے۔ اس کے
 تصنیف کے لیے حضرت سلیمان کے وزیر جناب آصف بن برخیا اور حضرت جہی
 کے اقوال اور اُن کے قوت تصرف پر غور کرو۔ حضرت سلیمان نے تفسار
 فرمایا تھا کہ تخت بلقیس کو کون جلد لاتا ہے۔ عفریت نے کہا آپ کے اسی مقام سے
 برخاست فرمانے سے پہلے تخت بلقیس کو لاتا ہوں۔ آصف بن برخیا نے کہا چشم زدن میں تخت بلقیس
 کو لاتا ہوں۔ اب غور کیجئے کہ عالم صنف انسانی اور عالم صنف جہتی میں کون افضل ہے اور کون اسرار تصرفات
 اور خواص اشیاء زیادہ واقف ہے۔ ظاہر ہے کہ پلک مارنے اور
 شعاع نظر کا جا کر واپس آنے کا زمانہ بہت کم ہے، یہ نسبت مجلس سلیمانی کے برخاست
 ہونے کے۔ کیونکہ نور نظر کی حرکت شے مبصر تک تیز تر ہے نسبت حرکت جسم کے
 اُس شے کی طرف جس کی طرف حرکت کرتا چاہتا ہے۔ دیکھو۔ نظر کے بھٹکنے
 مبصر تک پہنچنے پھر واپس آنے کا زمانہ ایک ہی ہے۔ باوجودیکہ ناظر و منظور
 میں بہت بڑی مسافت ہے۔ اور نظر نکلی اور کو اکب و ثوابت تک جا پہنچی۔
 اور عدم ادراک کا زمانہ اور رجوع نظر کا زمانہ ایک ہے۔ سلیمان کے اپنے
 مقام سے برخاست فرمانے کا زمانہ اتنا نہیں ہے۔ نہ اس میں اتنی سرعت ہے کہ

جتنی نظر میں ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا، کہ آصف بن برخیا عمل و تصرف میں جتنی سے اتم و اکمل تھے۔ آصف کے کہنے اور تخت کے لانے کا زمانہ گویا ایک ہی تھا۔

آصف بن برخیا کے کہنے ہی کے زمانے میں سلیمان نے تخت بلقیس کو اپنے پاس موجود حاضر دیکھا۔ تاکہ کہیں حضرت سلیمان کو یہ خیال نہ پیدا ہو کہ انھوں نے قوت کشف سے تخت بلقیس کو دیکھا ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں مستقراً عیناً آیا ہے۔ یعنی تخت بلقیس سلیمان کے پاس حاضر و قرار پذیر تھا۔ آصف کا تخت کو حاضر کرنا نظر تحقیق میں ہمارے پاس اتحاد زمان کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہاں اعدام و ایجاد اور سب سے معدوم کرنا اور دربار سلیمانی میں موجود کرنا تھا۔ اس کو تجدید و امثال کہتے ہیں۔ ہر آن ہر شے ہر احدیت سے معدوم ہوتی ہے۔ اور پھر اُس کو رحمت امتحانی موجود کرتی ہے۔ مگر عارفین کے سوا اُس کو کوئی محسوس نہیں کرتا۔ دیکھو قرآن شریف میں ہے۔ بل ہم فی لبس من خلق جدید یعنی بلکہ اُن کو التباس اور دھوکا ہو گیا ہے تازہ پیدائش و خلق جدید سے کہ وہی اگلی خفہ ہے۔ اُن پر کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرتا کہ جس شے کو دیکھ رہے ہوں نہ دیکھا ہو۔

جب معلوم ہو گیا کہ ہر شے میں تجدید و امثال ہے۔ اعدام و ایجاد ہے۔ نیستی کے ساتھ ہستی لگی ہوئی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک شے موجود ہو کر حق قیوم کی طرف دائمی محتاج نہ رہی ہو بلکہ ہر شے کو ہر آن امداد وجود ہوتی ہے۔ اور قیوم جل جلالہ کی طرف دائمی احتیاج رہتی ہے۔ بہر حال تخت بلقیس کا ملک سبا میں نیست و نابود ہونا اور حضرت سلیمان کے حضور میں ہست و موجود ہونا یہ دونوں عمل ساتھ ساتھ تھے اور یہ ہر دم میں۔ ہر سانس میں تجدید خلق، اور تازہ امداد وجود کا نتیجہ ہے۔ اس کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان خود کو نہیں سمجھتا۔ کہ وہ ہر آن لایکون اور پھر کیون ہوتا ہے۔ معدوم ہوتا ہے، موجود ہوتا ہے۔ یہاں ثنّ اور پھر کو مہلت کے لیے نہ سمجھو بلکہ یہاں ثنّ اور پھر کا لفظ صرف تقدّم و تقدّم بالعلیّہ کا مقتضی ہے جیسے کہتے ہیں کہ اول ماتہ پھرتا ہے پھر کبھی پھرتی ہے یہاں حرکت و حرکت مفتاح پر

تقدیم بالعلیہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ماتہ پیر نے کے زمانے کے بعد کبھی پھرتی ہے۔ عربی زبان میں بعض خاص مقام میں شہ بلا مہلت بھی مستعمل ہوتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ ہذا الشہ دینی شہم اضطرب جیسے نیزہ دینی کا ہلانا پھر اس کا ہل جانا ظاہر ہے کہ نیزے کے ہلانے کا زمانہ اور اس کے ہلنے کا زمانہ یہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ اور یہاں ثنر اور پیر مہلت کا مقتضی نہیں۔

اسی طرح ہر دم ہر آن تجد وخلق اور امداد وجود تازہ مقتضی مہلت و تراخی نہیں۔ زمانہ عدم اور زمانہ وجود مثل معاً ہیں۔ جس طرح اشاعرہ کے پاس اعراض و صفات اور غیر مستقل موجودات کی طرف دائمی محتاج ہیں۔ اور ہر آن ہر لحظہ تجد و امثال اعراض پر مبنی ہے۔ اسی طرح ذات حق موجود مستقل ہے۔ اس کے سوائے جتنے موجودات ہیں سب غیر مستقل ہیں دائمی طور پر محتاج الی الحق ہیں ہر آن ہر لحظہ متحد ہیں۔

تجد و امثال کا مسئلہ جو حصول تخت بلقیس میں چھیڑا گیا ہے۔ مشکل ترین مسائل سے ہے مگر اس قصے میں ابھی جو میں نے بیان کیا اس کے سمجھنے والے کے لیے کچھ دشوار نہیں۔ آصف بن برخیا کی فضیلت و بزرگی یہی ہے کہ وہ امداد وجود، وہ تجدید تخت بلقیس، وہ تجلی الہی جو تخت بلقیس پر ملک سبائیں ہو رہی تھی۔ اس کو سلیمان کے سامنے مجلس میں کھینچ لیا۔ اور تخت موجود ہو گیا۔ پس حقیقت میں تخت نے نہ قطع مسامت کی۔ نہ اس کے لیے زمین لپیٹ دی گئی اور نہ دیواروں کو توڑا پھوڑا۔ اس مسئلے کو وہی سمجھتا ہے جو تجد و امثال کو جانتا ہے۔ جو تجلی الہی کو اپنی طرف مستوجہ

کر سکتا ہے۔ یہ تصرف بعض اصحاب سلیمان سے ظاہر ہوا تا کہ اس کا اثر بلقیس اور ان کے ہمراہیوں کے دلوں پر عظمت و مرتبت سلیمان کے لیے پڑے۔ اس تصرف کا سبب یہ ہے کہ سلیمان داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ

ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ یہاں پہلے داہب کا موبوب لڑکوں پر انعام
 دیا۔ داہب اور اس کے ملے اور نہ برائے اُمتاں۔ پس سلیمان اللہ تعالیٰ کی
 نعمت سابقہ و تحت بالغہ اور اعدا کے لیے سرکش نہ بن گیا۔
 اب یہاں اس کے علم پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَقَعْنَمَا سُلَيْمَانَ
 بِمَنْزِلَةِ اس سُلَيْمَانَ کو سلیمان دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ بچہ ہون کا ایک یوں
 اس کے وقت کسی کے کھیت میں جائے لگا کر کھیت لگا کر کھیت تیار کر دیا
 کھیت اس نے داؤد کی خدمت میں حاضر ہو کر بکریوں کے مالک پر دعویٰ
 دائر کر دیا۔ بتنے کی بکریاں تھیں۔ اتنے ہی یہ کھیت کا نقصان ہوا تھا۔ چنانچہ
 داؤد نے بکریاں کھیت والے کو دلوا دیں۔ مدعی علیہ جانے لگے۔ تو راستے
 میں حضرت سلیمان مل گئے۔ انھوں نے کہا کہ مکہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ جب کہ
 کھیتی درست نہ ہو اور اپنی حالت پر نہ آئے۔ اُس وقت تک بکریوں کا مالک
 کھیت والے کی خدمت کرے۔ یعنی اُس کی کھیتی کے فائدہ میں رہے۔
 اور اُس وقت تک بکریوں کا دودھ اور اُن کی اُڈان کھیت والا لینا ہے۔
 اس کے بعد بکریاں بکریاں والے کو واپس۔ چہ حال اس مسئلہ خاص میں
 خدا تعالیٰ نے داؤد کی رائے کے خلاف سلیمان کو صحیح فیصلہ فرمایا
 فرمایا تھا۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَلَّا اَيْنَا لَهُ حُكْمٌ وَعِندَ اٰمِمْ
 و سلیمان میں سے ہر ایک کو حکومت اور علم دونوں دیئے تھے۔ بات یہ ہے کہ
 داؤد کا علم عام طور سے تھا۔ اور سلیمان کا علم عام طور سے بھی تھا۔ اس
 مسئلہ خاص میں خاص طور سے تھا۔ الہامی تھا۔ اللہ ہی کا علم تھا۔ فیصلہ سلیمان
 عالم و مرنی الہی کے مطابق تھا۔ گویا اُس وقت اللہ تعالیٰ ہی حاکم ملاوہ تھا۔
 اور نصیب سلیمان مقام صدق و صفایں تر جہاں حق تھے۔

جس طرح کہ مجتہد کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) عیب۔ صواب و قعدہ الہی
 کے مطابق حق کے موافق رہ کر مخطی و غلط کرنے والا۔ اُس نے کوشش تو کی مگر
 حق و صواب کو نہ پہنچ سکا۔ عیب نے چونکہ اجتہاد و کوشش کی اور وہ صواب
 و حق کو پہنچا۔ یہی اللہ کر دواجر میں۔ اُس نے ایسے ہی کیا جیسے کہ حق تعالیٰ خود

یا بتوسط رسول اور وحی کے بیان کرتا۔ اور مخطی نفس الامر میں مقصد و حکم الہی کو جو عند اللہ متعین تھا نہ پہنچا تو اُس کو اُس کے اجتہاد کا ثواب مل جائے گا اور باوجود خطا کے اُس کا حکم حکم شرعی و علم سمجھا جائے گا۔
دیکھو۔ اس اُمت محمدیہ کو مصیب کی صورت میں رتبہ سلیمانی دیا گیا اور خطا کی صورت میں بھی رتبہ داؤدی عطا کیا گیا۔ ما شاء اللہ اُمت محمدی کی کیا شان ہے۔ کیا فضیلت ہے۔

جب بلقیس نے اپنے تخت کو مجلس سلیمانی میں دیکھا۔ باوجودیکہ وہ سمجھتی تھیں کہ اتنی بڑی مسافت کے لیے اتنی کم مدت میں منتقل کرنا تقریباً محال ہے تو (قالت کا نہ ہو) بلقیس نے کہا کہ گویا کہ یہ تخت وہی ہے بلقیس نے تہجد و امثال کے مسئلے کی تصدیق کی جس کو ابھی ہم نے بیان کیا۔ اور وہ تخت بلقیس ہی تھا۔ اور یہ ایسا ہی سچ ہے۔ جیسے کہ تم جو زمانہ ماضی میں تھے زمانہ تہجد میں بھی ہو۔

پھر کمال علم سلیمان سے تنبیہ بھی ہے جس کو انہوں نے صریح یعنی محل کے ذکر میں کیا۔ فقیل لہا ادخلی الصرح پھر بلقیس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو۔ وہ شیش محل تھا۔ ہموار تھا۔ اُس میں نشیب و فراز نہ تھا فلما راتہ حسبہ لجة جب بلقیس نے اُس گھر کو دیکھا تو پانی سمجھا۔ پھر اپنے پائنے پنڈلیوں سے چرٹھایے کہ کہیں پانی اُن کے کپڑوں کو نہ لگ جائے۔ حضرت سلیمان نے اُس سے اس امر پر تنبیہ کی۔ اُن کا تخت جس کو انہوں نے دیکھا۔ اسی قبیل کا ہے۔ کہ بظاہر اگلا تخت ہے مگر ہے اُس کا مثل اُن شبیہ جیسے شیش محل پانی کا شبیہ ہے۔ یہ تنبیہ نہایت حق ہے۔ سلیمان نے بلقیس کے کا نہ ہو کہنے کی تائید کی۔ سلیمان کے حُسن توجہ سے مسئلہ تہجد و امثال کا انکشاف ہو گیا۔ انہوں نے ذات حق کو کل یوم ہونی شان میں دیکھا۔ اور اُس وقت وہ کہہ اُٹھیں رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ اللہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اے میرے رب تجھے نہ جان کریں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اب خود سلیمان کی طرح اُشدرت العالمین کے حوالے کر دیا۔ اور

اُس کی اطاعت اختیار کر لی۔ دیکھو۔ بی بی بلقیس نے سلیمان کی اطاعت کا نام نہیں لیا۔ بلکہ وہ رب العالمین کی مطیع و منقاد ہوئیں کیونکہ حضرت سلیمان بھی عالمین میں داخل ہیں۔ اور انھوں نے اپنے انقیاد و اطاعت کو کسی ایک شان سے خاص نہیں کیا۔ جس طرح انبیاء و رسل کسی شان خاص سے اپنے اعتقاد کو خاص نہیں کرتے۔ کیونکہ بلقیس نے رب العالمین کہا یہ عام لفظ ہے۔ بخلاف فرعون کے کہ اُس نے کہا امنت برب موسیٰ و ہارون یعنی میں رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لاتا ہوں۔ اگرچہ ایک وجہ سے فرعون کا یہ کہنا بھی اطاعت بلقیس سے مشابہ ہے۔ کیونکہ موسیٰ و ہارون بھی رب العالمین پر اعتقاد رکھتے تھے۔ مگر بلقیس کے اعتقاد کی قوت فرعون کے ایسے کہنے میں کہاں۔ بلقیس فرعون سے زیادہ اطاعت الہی میں دانا اور صاحب بصیرت تھیں۔ فرعون موقع اور وقت کا تابع تھا۔ دیکھا دیکھی کہتا تھا۔ اُس نے کہا امنت بالذی امنت بہ بنو اسرائیل جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اُس پر میں بھی ایمان لایا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے رب کی تخصیص کی۔ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے ساحروں کو ایمان لاتے وقت کہتے دیکھا رب موسیٰ و ہارون پس سلام بلقیس مثل سلام سلیمان تھا کیونکہ انھوں نے مع سلیمان کہا اور اُن کے ہمراہ ہو گئیں۔ سلیمان جس عقیدے پر سے گزرتے بلقیس بھی وہی عقیدہ رکھ کر اُن کے ساتھ گزرتیں۔ جس طرح ہم اس صراطِ مستقیم پر ہیں جس پر رب تعالیٰ ہے۔ کیونکہ ہمارے موئے پیشانی اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جہاں جاتا ہے۔ ہم کو بھی گھسیٹتا لے جاتا ہے۔ لہذا محال ہے کہ ہم اُس سے جدا ہوں۔ ہم ضمناً اُس کے ساتھ ہیں اور وہ صریحاً ہمارے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وہو معکم انما لا تبصرون۔ تم ہمارے ساتھ ہے تم جہاں رہو۔ کیونکہ بالعرض کے ساتھ بالذات لگا ہوا ہے۔ ہم بھی اُس کے ساتھ ہیں کیونکہ وہ ہمارے موئے پیشانی پکڑے ہوئے ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب خارج میں حق کے سوا کوئی نہیں۔ تو حق تعالیٰ جس رستے پر ہم کو لے جائے وہ حقیقۃً اپنے ساتھ آپ ہے۔ اور راہِ مستقیم راہ رب تعالیٰ ہے۔

جوشناؤدہم

بلقیس نے حضرت سلیمان سے بھی علم حاصل کیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے کہا۔
 للہ رب العلمین۔ ایک عالم کو لیا۔ ایک کو چھوڑا۔ ایسا ہرگز نہیں کیا۔ وہ تسخیر
 جو سلیمان سے خاص ہے اور جس کی وجہ سے اُن کو اُن کے غیر پر فضیلت
 دی گئی ہے اور جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسی حکومت و بادشاہت
 عطا کی کہ اُن کے بعد کسی کو سزاوار نہ ہو۔ وہ تسخیر یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے
 حکم دیا اور چیز ہو گئی۔ نہ ہمت کی ضرورت۔ نہ جمیعت ارادہ کی حاجت۔
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ۔ ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو
 مسخر کر دیا کہ اُن کے حکم پر وہ چلتی ہے۔ وہ مطلق تسخیر نہ تھی کیونکہ مطلق تسخیر تو نام بنی آدم
 کے لیے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ بلا تخصیص ہم سب کے حق میں فرماتا ہے وسخر لکھو
 ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً منہ اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دیا تمہارے لیے
 جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ تمام و کمال۔ قرآن شریف میں جا بجا تسخیر ریح
 و نجوم وغیرہ کا ذکر فرمایا یہ سب ہمارے امر و حکم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ امر الہی سے
 ہوتا ہے۔ پس جو تسخیر سلیمان علیہ السلام سے خاص ہے، اُس میں اُن کا صرف
 کہہ دینا اور امر کر دینا کافی ہوتا تھا۔ تم کو معلوم ہے کہ اجرام عالم اجسام و موجودات
 یہ سب ہمت ہائے نفس۔ عزم قلب۔ جمیعت خاطر۔ دل پورے سے متاثر و منفعل
 ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ارواح فلکیہ۔ اور خواص امور طبیعیہ۔ اور اساتے الہیہ۔
 و آیات کلام اللہ و اقوال اہل اللہ سے بھی کام لیتے ہیں۔ یہ نہ معجزات کی
 قسم سے ہیں نہ کرامات کی۔ ہم نے اہل ریاضت سے اس قسم کے بہت امور
 دیکھے ہیں۔ سلیمان بغیر ہمت و جمیعت کے صرف حکم دے دیتے اور
 کام ہو جاتا۔

اللہ ہم کو اور تم کو اپنی روح سے تائید دے۔ ایسی عطا کسی بندے کو
 عطا کی جاتی ہے تو آخرت کے حصے اور ملک سے کچھ نقصان و کمی نہیں ہوتی۔
 اور اُس سے باز پرس بھی نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ سلیمان نے رب العالمین
 سے دعا کی تھی۔ اور ذوق طریق معرفت کا اقتضا تو یہ ہے۔ کہ دوسروں کو
 آخرت میں جو ملنے والا ہے۔ وہ حضرت سلیمان کو جلد یہاں مل گیا ہو۔ اور اُن پر

جزو شانزدہم

محاسبہ بھی ہو۔ اگر آخرت میں اللہ چاہے۔ مگر اللہ تعالیٰ سلیمان سے فرماتا ہے۔
 ہذا اعطاء نایہ ہماری داد ہے بخشش ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ تم کو یا تمھارے غیر کو
 فامئن او آمسک بغیر حساب چاہو کسی کو دو چاہو نہ دو کوئی حساب نہیں۔
 اس سے ذوق طریق بتا رہا ہے کہ یہ سوال بھی امر رب سے تھا۔
 اور طلب حب امر الہی کی اتباع میں ہوتی ہے۔ تو طالب کو اس کی طلب میں
 اجر تمام اور ثواب کامل ملتا ہے۔ اور باری تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے
 حاجت مطلوبہ کو عطا کرے، چاہے عطا نہ کرے۔ بند نے تو جو حکم اس کو
 دیا گیا تھا اس کو پورا کیا۔ پھر بھی ذاتی خواہش سے اصرار اور ہٹ نہ ہو۔
 اگر کوئی طلب ذاتی خواہش اور بغیر امر رب کے ہو تو ضرور اس سے محاسبہ ہوگا۔
 یہ قاعدہ تمام دعاؤں میں چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے قل رب
 زدنی علماً یا محترم! تم کہو۔ اے میرے پروردگار! مجھے علم میں بڑھا
 اور ترقی دے۔ پس آپ حسب امر رب تعالیٰ زیادت علم کی دعا
 کرتے۔ یہاں تک کہ عالم شہادت عالم بیداری میں بھی سامنے
 دودھ آتا تو اس کی تاویل علم کرنے جیسے کہ آپ نے خواب میں دیکھا
 کہ آپ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالا پیش کیا گیا آپ نے اس کو
 نوش فرمایا، اور اس کا بقیہ عمر بن الخطاب کو دیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ
 اس کی تعبیر آپ نے کیا دی تو فرمایا علم۔

اسی طرح جب آپ کو معراج ہوئی تو خدمت مبارک میں
 دو پیالے پیش کیے گئے ایک میں دودھ تھا۔ اور ایک میں
 شراب۔ آپ نے دودھ پی لیا۔ فرشتے نے کہا۔ آپ نے
 فطرت کے مطابق کام کیا۔ یعنی اسلام اور علم صحیح کو اختیار کیا۔
 اللہ آپ کی وجہ سے آپ کی امت کو بھی اس کی توفیق عطا کرے۔
 بہر حال دودھ جب نظر آجائے تو وہ علم کی صورت ہے۔ علم ہی دودھ
 کی صورت میں مہتمل ہوا ہے۔

جزو شانزدہم

جیسے جبریل پورے انسان کی صورت میں نبی کریم کے سامنے
متمثل ہوئے تھے۔ غور کرو۔ دنیا تمام عین ثابتہ معلوم الہی و تجلیات اسمائے الہیہ
کی نمائش ہے۔ حضرت رسول کریم فرماتے ہیں۔ لوگ سو رہے ہیں جب
میں گے تو بیدار ہوں گے۔ آپ تنبیہ فرماتے ہیں۔ کہ انسان جو کچھ
حیات دنیا میں دیکھتا ہے وہ بمنزلہ خواب و خیال ہے۔ سونے والے
کے سامنے۔ لہذا اس کی تاویل ضرور ہے۔ اس کی حقیقت کی طرف
راہ نکال لینا لازمی ہے۔

یہ بالکل حق ہے کہ دنیا خواب و خیال ہے جو اس مسئلے کو سمجھ جائے
وہ راز مائے طریقت حاصل کر لے گا۔ زندگی خواب ہے۔ موت
بیداری ہے۔ اور آدمی ان دونوں کے درمیان چلتا پھرتا خیال ہے۔
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب
آپ کے سامنے دودھ پیش کیا جاتا تو دعا کرتے اللھم بارک لنا
فیہ و ذنامنہ۔ یا اللہ! تو اس میں ہمارے لیے برکت دے۔ اور یہ
ہم کو اور دے۔ کیونکہ آپ دودھ کو علم کی صورت اور اس کا تمثیل
دیکھتے تھے۔ اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت کو طلب زیادت علم کا
حکم دیا گیا تھا۔ جب آپ کے سامنے دودھ کے سوا کوئی اور شے
پیش کی جاتی۔ تو دعا کرتے۔ یا اللہ! ہم کو اس میں برکت دے۔ اور اس سے
زیادہ اچھا کھلا۔

غرض کہ اللہ نے جو کچھ دیا۔ اور امر الہی کے اتباع میں طلب کیا گیا ہے
تو اللہ اس کے متعلق آخرت میں محاسبہ نہ فرمائے گا۔ اور اگر بغیر امر الہی کے
سوال کیا ہے تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ چاہے اس کا محاسبہ کرے یا نہ کرے۔
مجھے اللہ سے امید ہے کہ بطور خاص طلب زیادت علم میں محاسبہ نہ
فرمائے گا کیونکہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ طلب زیادت علم
کے لیے دعا کریں۔ اور حضرت کو حکم دینا عین امت کو حکم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے۔ بیشک تمہارے لیے رسول اللہ میں اسوۂ حسنہ ہے بہترین نمونہ ہے

جوشائزہم

اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھنے والے کے لیے حضرت کی پیروی سے بہتر کونسی
اور کس کی پیروی ہوگی۔

اسے ہاللب عرفان! اگر ہم تم کو مرتبہ و مقام سلیمان علیہ السلام سے
پوری اطلاع دیں تو تم گھبرا اٹھو گے۔ کیونکہ اکثر لوگ حالت و مرتبہ سلیمان
علیہ السلام سے واقف نہیں۔ ان کے خیالات حضرت سلیمان کے متعلق
درست نہیں۔



ترجمہ

فصوص الحکم

جز و ہفتم

فصل حکمت و جودیت فی کلیۃ اودیت

۳۰۹

تمہید



قرآن شریف میں داؤد علیہ السلام کے لیے آیا ہے۔ انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔ اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ فَاَحْلَمَ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَيُضِلَّکَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَوْ کُوْنُ مِنْ حَقِّ وَوَحٰی کے مطابق حکم کرو اور ہوائے نفس اور غیروحی کی اتباع نہ کرو۔ کہ غیروحی اور ہوائے نفس تم کو راہ خدا سے گمراہ کر دے۔

سوائے داؤد علیہ السلام کے کسی اور کے لیے خلافت کی تصریح و تنصیص نہیں۔ نہ آدم علیہ السلام کے لیے۔ نہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے۔ حالانکہ تمام انبیاء خلیفۃ اللہ ہی ہوتے ہیں۔

داؤد علیہ السلام جب تسبیح کرتے تو پرندے اور پہاڑ سب تسبیح کرتے اور حکم الدال علیٰ الخیر کفایہ کے سب کی تسبیح کا ثواب حضرت داؤد علیہ السلام کو ملتا۔

داؤد علیہ السلام کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک چرواہے کی بکریاں ایک کسان کا گھیت چر گئیں گھیت کا نقصان بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔

جزدہندہ

لہذا داؤد علیہ السلام نے حکم دیا کہ بکریاں اسان کو دے دینی جائیں۔
 اس فیصلے سے چرواہا مفلس اور تماشہ ہو گیا۔ سلیمان علیہ السلام اس وقت
 بچے تھے۔ ان کو چرواہا ہے پر رحم آگیا۔ حکم دیا کہ کعبیت تیار ہونے تک چرواہا
 کعبیت کی خدمت کرے۔ جب کعبیت تیار ہو جائے تو کسان کے حوالے
 کر دے اور اپنی بکریاں واپس لے لے۔ شیخ ذیابتے ہیں داؤد علیہ السلام کو
 اجتہاد کرنے کی وجہ سے ایک درجہ کا ثواب اور سلیمان علیہ السلام کو
 اجتہاد کا ایک ثواب اور مطابق حق ہونے کی وجہ سے ایک ثواب۔ یعنی حق رس
 و صیب کو دو ثواب۔ شیخ کہتے ہیں کہ امت محمدی پر بلا الکریم ہے نہ جہنم کی آگ
 داؤد علیہ السلام کا ثواب اور مجتہد مسیب کو سلیمان علیہ السلام کا ثواب
 عطا کرنا ہے۔

یہاں ایک بحث ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں۔ نبی اجتہاد نہیں کرتا۔
 بلکہ اس کی شان ہے مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ وہ
 خواہش نفس سے حکم نہیں کرتا۔ پہ نہیں بولتا۔ وہ تو وحی سے جو اللہ کی طرف
 سے کی جاتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ نبی بھی اجتہاد کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ بن کو غلطی یہ باقی
 نہیں رکھتا۔ فوراً متنبہ کر دیتا ہے۔ اس لئے بد میں حضرت ابو بکر کی رائے سے
 بڑا اے فدیہ لے کر قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ اور حضرت عمرؓ کی رائے سے قیدی
 قیدیوں کو قتل کر دیں۔ رحمت اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر کے مشورے کو
 قبول کیا۔ قرآن اتر کر یہ امام نامناسب تھا۔ اے پسند آئی فاروق عظمیٰ۔
 مگر عمل باقی رکھا گیا۔ بن ابوبکر کی رائے کے موافق۔

خلفاء کا سلسلہ آدم سے لے کر ایں دم تک جاری ہے۔ تو لیا وہ
 خلیفہ اللہ میں یا خلیفۃ الرسول۔ شیخ کہتے ہیں کہ باطن کے لحاظ سے خلیفۃ اللہ
 میں اور ظاہر کے لحاظ سے خلیفۃ الرسول۔ جس معدن جس مقام سے نبی لیتے تھے۔
 اسی مقام سے انسان کمال صاحب الزمان۔ غریب قلب بیتہ میں خلیفۃ رسول
 کی حیثیت سے تاریخ احکام میں ہیں جس طرح بعض انبیاء انبیائے اولو العزم کے

جزد ہند

ہوتے ہیں۔ اور بھلا ہم اقتداء کا حکم ہے۔ اسی طرح اولیاء بھی تابع نہیں ہیں۔ حالانکہ صاحب وحی دونوں ہیں۔ کوئی ولی قرآن و حدیث متواتر کی جو قیمنی ہیں۔ خلاف نہیں کر سکتا۔ ہاں حدیث ضعیف و احاد کی تصبیح رسول خدا سے کر لیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث احاد کو عدل نے عدل سے روایت کی۔ مگر وہم اور روایت بالمعنی اور ذاتی فہم کی غلطی سے معصوم نہیں۔ لہذا وہ رسول خدا سے راست دریافت کر لے سکتے ہیں۔

مگر عرفائے محققین کے پاس انا من نور اللہ و کلہم من نورہی۔ اور اللہ المعطی و انا القاسم ثابت ہے۔ لہذا کوئی قطب راست خدائے تعالیٰ سے نہ لے سکتا ہے۔ نہ دیکھ ہی سکتا ہے۔ امام الطریقۃ الشیخ ابو الحسن علی الشاذلی دعا و صلواتہ میں عرض کرتے ہیں اللہم صل وسلم من لک ریکہ مناسبات فی وجودہ ولا لای فی شہودہ ولا شہی الا و ہویہ منوط اذ لا الواسطۃ لذہب الموسط اللہم انہ سرک الجامع و نورک الواسع الدال علیک و حجابک الاعظم القائر بآیت یدیک فلا یصل و ایل الا الی حضارۃ المانیۃ ولا یتبدی حائر الا بالوارۃ الامعۃ

نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا کبھی یہ بیچ سے پردہ تواسے نور خدا بیشک نقاب دے وحدت ہے میں عینک لگا کر جس کو چاہوں دیکھ لیتا ہوں حضرت اگر انکھوں پہ یہ عینک نہ ہو پھر نور ظلمت ہے سید غوث الاعظم عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں: اللہم صل وسلم علی سیدنا محمد بن الذی تاہت فی انوار جلالہ الوالعزم من المرسلین و تحیر فی درک حقایقہ عظماء الملئکۃ المہتمین۔ روح ارواح عبادک و معدن اسرارک و منبع انوارک۔ حضرت غوث پاک فرماتے ہیں۔

اے اللہ صلوات و سلام نازل کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے انوار جلال میں انبیائے مرسلین سرگشتہ و حیران ہیں۔ اور ان کی حقیقت کے اور اک کرنے میں بزرگ ترین ملائکہ مہمین سرگرداں ہیں۔ وہ تیرے

سفر اہل خانہ بہ تربیت و تہذیب و تمدن و ترقی و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر و بہتر

جو مقدم

فَضْلُ حُكْمٍ وَجُودِيٍّ فِي كَلِمَةٍ وَادْوِيٍّ

واضح ہو کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عنایت ہے جس میں انسان کے کسب کو کچھ دخل نہیں۔ نبوت سے میری مراد عرفی شرعی نبوت ہے۔ جس میں شریعت و تبلیغ ہے نہ کہ نبوت بمعنی لغوی یعنی یا خبر ہونا۔ یا خیر دینا۔ انبیاء و رسل پر اللہ تعالیٰ کے عطایا اعمال کی جزا نہیں ہیں۔ بلکہ ہمیدہ ہیں۔ نہ ابتداء جزائیں نہ انتہا طالب جزا ہیں۔ انبیاء کو جو کچھ دیا جاتا ہے۔ انعام و افضال ہے لطف و کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ يَمُّهُمَا بَرٌّ لَّابْرَاهِيمَ كُو اسحق و یعقوب کو بطور ہیبت و تفضل دیا۔ یوسف علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ ہم نے یوسف کو ان کی آل و اولاد دی اور اس آل و اولاد کے برابر اور آل و اولاد دی۔ موسیٰ کے حق میں فرماتا ہے وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا۔ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر دیا وغیر ذلک۔ پس وہ خدا جو اُن کا ابتدا والی و کار ساز ہے وہی اُن کا ہر حال میں کار ساز ہے۔ متولی امور ہے۔ ان کا متولی کون ہے۔ اسم و تاب ہے۔ داؤد علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَمِنْهَا فَضْلًا۔ ہم نے داؤد کو اپنا فضل و کریم دیا۔ اس کے ساتھ

نہ طلب جزا کو لگایا نہ یہ فرمایا کہ اُن کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ کسی عمل کی جزا ہے۔
 عطا پر اللہ تعالیٰ سے عمل کے ذریعے سے شکر کرنے کا حکم دیا۔ مطالبہ کیا
 تو آل داؤد سے نہ کہ داؤد علیہ السلام سے۔ داؤد پر جو انعام و افضال ہوا ہے۔
 اُن کی اُمت سے عملی شکرے کا مطالبہ کیا گیا۔ کیونکہ یہ عطا داؤد علیہ السلام
 کے حق میں توفضل ہے اور اُمت کے حق میں طالب معادضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ
 فرماتا ہے اَعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَتَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشُّكْرُ اے آل داؤد
 تم شکرے میں عمل کرو۔ مگر میرے بندوں میں شکر گزار بہت کم ہیں۔ اگرچہ انبیاء نے
 اللہ کے انعامات و مواہب کا شکر ادا کیا۔ مگر اُس کا مطالبہ حق تعالیٰ
 کی طرف سے نہ تھا۔ بلکہ خوشی دل سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت رسول کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ماقبل و مابعد امکانات گناہ کو باطل کر دیا تو آپ نے
 اتنی عبادت کی قدم مبارک پر درم آگیا۔ لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا
 تو آپ نے فرمایا اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔
 نوح علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّكَ كَانَتْ عَبْدًا شَكُوْرًا۔
 وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ اللہ کے شکر گزار بندے بہت ہی کم ہیں۔

سب سے پہلی نعمت اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو دی وہ یہ ہے کہ
 آپ کا نام ایسا رکھا جس میں ہر ایک حرف جدا ہے۔ یہ اُن کے دنیا سے
 بے تعلق ہونے پر وال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اُن کا یہ نام رکھنے سے ہم کو مدد
 ملتی ہے۔ داؤد میں حروف ذیل ہیں د۔ ا۔ و۔ د۔ دیکھو ہر ایک حرف
 دوسرے سے جدا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک محمد رکھا جس میں
 م۔ ح۔ م تو ملنے والے حرف ہیں۔ مگر آخر میں د ہے۔ جو ماقبل سے تو ملتا ہے اور
 مابعد سے نہیں ملتا۔ پس حضرت کے اسم مبارک میں وصل بھی ہے فصل بھی ہے۔
 مگر داؤد علیہ السلام کو نبی ہونے کی وجہ سے باطن میں وصل و فصل ہے۔ مگر نام
 کی حالت ایسی نہیں ہے۔ یہ جامعیت اختصاص و تفصیل ہے۔ محمد
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو داؤد علیہ السلام پر یعنی نام کے لحاظ سے بھی جامعیت پر
 اشارہ ہے۔ پس حضرت کے لیے جمیع جہات سے جامعیت ہے۔ اسی طرح

جزو ہفتم

احمد کے نام میں بھی جامعیت ہے۔ الف بالکل منفصل ہے ح۔ ح۔ متصل ہیں اور (د) متصل و منفصل، اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد پر جو انعامات فرمائے ہیں ان کو اس طرح فرماتا ہے اِنَّا نَخْرُجُكَ مِنَ الْجِبَالِ مَعَهُ لِيَسْجُدَ بِالْعِشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّلُوبِ تَحْشُودُهُ كُلُّ لَهْ اَوَابٍ۔ ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا کہ وہ اُن کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ سہ پہر کو اور دن چڑھے۔ پرندے بھی جمع کر دیے گئے ہیں۔ سب اُن کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ داؤد کے ساتھ پہاڑ اور پرندے تسبیح کرتے ہیں۔ کہ داؤد کے عمل میں اُن کے اعمال داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَادْكُرْ عَبْدًا نَا حَا وَاذْكُرْ اَنَّا لَا يَدْرِي اَنَّا اَوَابٍ ہمارے پر قوت بندے داؤد کو یاد کرو۔ وہ ہماری طرف بڑا رجوع کرنے والا تھا۔ اور فرماتا ہے وَسَدَدْنَا لَهٗ اِمْنًا لَّهٗ اَلْحِكْمَةُ وَفَصْلُ الْخِطَابِ۔ ہم نے اُن کی حکمت کو قوت دی۔ اور اُن کو حکمت و معرفت عطا کی۔ اور حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا بیان بھی دیا۔ پھر داؤد پر احسان عظیم اور مرتبہ قرب حق جو ان سے خاص ہے۔ یہ ہے کہ اُن کی خلافت منصوص ہے۔ صحیحاً ہے۔ ان کے دوسرے، مجنسون کی خلافت ایسی صریح نہیں ہے۔ گو کہ اُن میں خلفاء حق ہیں۔ فرماتا ہے يٰۤاِدَاوُدَاۤا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی اِنَّهٗ یُضِلُّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور اپنی خواہش کی اتباع نہ کرو۔ ہوا سے مراد وہ احکام ہیں جو غیر وحی الہی ہیں۔ اور وہ خطرات جو دل میں گزریں فِیْضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کہ وہ خطرے تم کو راہ خدا سے گمراہ کر دیں۔ سبیل اللہ سے مراد وہ طریقہ وحی ہے جو انبیا کو بتایا جاتا ہے پھر اُن کا لحاظ رکھ کر فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْ یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ جو لوگ راہ حق گم کرتے ہیں۔ اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔ بَعَاثْنٰہٗ اَیَّوْمَ الْحِسَابِ۔ اس وجہ سے کہ وہ روز حساب و قیامت کو بھول گئے۔ یہ نہ فرمایا کہ اگر تم میری راہ سے گمراہ ہو جاؤ تو تمہارے لیے عذاب شدید ہے۔ اگر تم کہو کہ آدم کی خلافت بھی تو منصوص ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ داؤد کی خلافت عیسوی منصوص ہے ویسی آدم کی خلافت منصوص نہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے

جزو ہفتم

ملائکہ سے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃًۢمِیْنِ زَمِیْنٍ پر ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔ اور نہ فرمایا کہ میں آدم کو زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اگر ایسا فرماتا بھی تو داؤد کے متعلق اس قول کے برابر نہ ہوتا۔ ہم نے تم کو (اے داؤد) زمین میں خلیفہ بنایا۔ یہ صراحت ہے۔ محقق و ثابت ہے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق ایسا محقق و مصرح نہیں۔ نیز آدم کے قصے سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ خلیفہ موعود آدم ہی تھے۔ دیکھو۔ تم کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق کوئی خبر دے تو تم اس میں دل لگا کر غور و فکر کرو حکمت و معرفت کی موجیں اس میں سے نکلتی معلوم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ابراہیم خلیل اللہ کے متعلق فرماتا ہے اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ میں تم کو لوگوں کا امام بناتا ہوں۔ مگر خلیفہ تو نہ فرمایا۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہاں امام سے مراد خلیفہ ہی ہے۔ مگر خاص طور سے لفظ خلیفہ مُصَرَّحاً فرمانے کے برابر نہیں۔

پھر داؤد علیہ السلام کی خلافت مخصوصہ میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد کو خلیفہ حکم بنایا۔ اور حکم دینا تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اِنَّا حُکْمُہٗمُ بِاللّٰہِ حُکْمٌ دِیْنًا تو اللہ ہی کا کام ہے۔ داؤد کو فرماتا ہے فَاَحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ یَا حُیُّ حق سے وابستہ رہ کر لوگوں میں حکم کرو۔

ممکن ہے کہ خلافت آدم داؤد کے مرتبے کے برابر نہ ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ آدم ان لوگوں کے خلیفہ ہوں جو ان سے پہلے زمین میں بستے تھے۔ اور خلق میں حکم الہی چلانے کے لیے نائب حق نہ ہوں۔ اگر آدم نائب و خلیفۃ اللہ واقع میں بھی ہوں تو ایسی تنصیص و تصریح تو نہیں ہے۔ جیسی داؤد کے لیے ہے۔ بیشک زمین پر جو خلیفۃ اللہ ہوئے ہیں وہ انبیاء و رسل ہی ہیں۔

آج کے دن خلافت رسول اللہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خلافت باقی نہیں ہے کیونکہ اس وقت کے خلفاء بجز شرع خاتم النبیین کے کوئی حکم نہیں دے سکتے اور دائرہ شرع سے باہر نہیں نکل سکتے۔ مگر یہاں ایک دقیقہ ہے۔ نازک بات ہے اس کو ہمارے ہی جیسے شخص جان سکتے ہیں۔ وہ دقیقہ یہ ہے۔ شرع رسول پر حکم کرتے ہیں۔ تو ان کا ماخذ کیا ہے۔ یہ کہاں سے حکم لیتے ہیں خلیفہ رسول تو

جزد ہفتم

وہ ہیں جو قرآن و حدیث سے حکم لیتے ہیں۔ جو عن فلاں عن منقول ہیں۔ قرآن و حدیث میں صریح حکم نہیں ملتا۔ تو قیاس کرتے ہیں۔ اجتہاد کرتے ہیں۔ مگر اس اجتہاد کی اصل وہی منقول قرآن و حدیث ہیں۔

ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کشف و الہام سے جو ظنی ہیں اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں۔ لہذا خود اس حکم شرعی میں خلیفۃ اللہ ہیں۔ بس ایک طور پر مادہ کشف و الہام اور مادہ وحی رسول ایک ہیں۔ گو الہام ظنی اور وحی قطعی ہے۔ پس خلیفہ جو ولی ہوتا ہے۔ ظاہر میں شیخ نجد ہوتا ہے اور باطن موافق نہیں۔ جیسے عیسیٰ نزول فرمائیں گے تو قبیح خاتم النبیین ہوں گے۔ جیسے نبی محمدؐ توحید میں موافق و قبیح انبیائے سابق کے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
 اُولَئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ فَمِنْهُمْ اَقْتَدٰ اَنَّ اَنْبِیَآءَ سَابِقِیْنَ کُو اللّٰہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی۔ تم بھی اے محمدؐ ان کی پیروی کرو۔ وہ خلیفہ۔ ولی صاحب کشف اللہ تعالیٰ سے لینے کے طریقے سے واقف ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین کے موافق ہے۔ کیونکہ مرضی الہی۔ اور حق وہی ہے جو خاتم النبیین کی شرع شریف ہے۔ یہ موافقت ایسی ہی ہے جیسے خاتم النبیین انبیائے سابقین کے احکام کو باقی رکھ کر ان کے موافق تھے۔ ہم بھی انبیائے سابقین کے احکام کی اتباع کرتے ہیں۔ مگر اس وجہ سے کہ ان احکام کو خاتم النبیین نے باقی رکھا۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ شرع انبیائے سابقین سے ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ تقریر و اقرار ہے خاتم النبیین کی جانب سے۔ لہذا خلیفہ کا اللہ تعالیٰ سے لینا عین رسول اللہ کا لینا ہے۔ ایسے صاحب کشف خلیفہ کے متعلق ہم زبان کشف سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ باطن خلیفہ اللہ ہے اور ظاہر خلیفہ رسول اللہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ نے منصوص و معین طور پر کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ کہ اپنی امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو خلافت کو اللہ تعالیٰ سے لیں گے اور خلیفہ اللہ ہوں گے۔ مگر احکام شرع میں تابع نبی معصوم جب رسول اللہ کو

اگر یہ حدیث ثابت ہوتی ہے تو امام اسی حدیث کے موافق حکم دیتا۔ اگرچہ وہ حدیث
 عن عدل عن عدل سے ثابت ہے۔ یعنی معتبر آدمی کی روایت معتبر آدمی سے ہے۔
 اس کے تمام راوی ثقہ ہیں معتبر ہیں۔ راوی پھر بھی وہم سے معصوم نہیں ہیں۔ نہ
 روایت بالمعنی سے ایسے واقعات آج خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں۔
 جب عیسیٰ نازل ہوں گے تو بہت سے اجتہادی احکام جو ائمہ کے
 جاری کردہ تھے اٹھا دیں گے کیونکہ عیسیٰ پر حقیقت طریقہ محمدی ظاہر ہو جائے گی خصوصاً
 جبکہ ایک واقعے میں ائمہ سے باہم مختلف احکام دیے گئے ہوں۔ یہ ہم کو
 قطعی علم ہے کہ اگر وحی نازل ہوتی تو ان صورتوں میں سے کسی ایک کے مطابق
 نازل ہوتی۔ اور وہی حکم الہی متین ہوتا۔ اس حکم خاص کے سوا جو احکام اجتہادی
 ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے باقی رکھے ہیں کہ وہ شرع تقریری ہے۔
 خدا کے رکھنے سے رہے ہیں تاکہ اُمت کو حرج نہ ہو۔ اور دائرۃ احکام
 وسیع ہو۔

حضرت رسول اعظم کا فرمان ہے۔ اِذَا بَوَّعَ بِخَلِيفَتَيْنِ قَاتِلُوا الْاُخْرَ مِنْهُمَا
 اگر دو خلیفوں کے لیے بیعت لی جائے تو ان سے پچھلے کو مار ڈالو حکیم خلافت ظاہری
 کے متعلق ہے جس کا کام ہے۔ امن قائم رکھنا شمشیر زنی کرنا۔ اس میں تعدد خلفا
 کی گنجائش نہیں۔ اگر دونوں متفق بھی ہو جائیں تو ایک کو ختم کرنا ضرور ہے بخلاف
 خلافت باطنی کے کہ اس میں تعدد خلفا ممکن ہے۔ نہ ان کا کام ہے قتل و کشت۔
 خلافت ظاہری میں حق قتل ہے۔ اور خلافت باطنی میں حق قتل نہیں ہے۔
 اگر خلافت باطنی والا خلیفۃ اللہ۔ اور خلافت ظاہری والا عادل ہو تو خلیفۃ رسول اللہ
 ہوتا ہے۔ خلافت ظاہری میں ایک خلیفہ کا رہنا اور تعدد خلفا ناجائز ہونا۔
 اس لیے ہے کہ رفع فتنہ و فساد یا دفع مظنۃ بد امنی ضرور ہے۔ یہ مشاہدہ ہے
 لَوْ كَانَ فِيْهِمَا الْاِلٰهَ الْاِلٰهَ لَفَسَدَتَا۔ اگر آسمان زمین میں کئی الہ ہوتے تو
 ان میں فساد ہو جاتا فرض کرو کہ وہ دونوں متفق بھی ہو جائیں۔ تو سمجھ جاتے ہیں کہ
 بفرض و تقدیر اختلاف کے۔ ایک کا حکم چلے گا جس کا حکم چلے وہ تو حقیقتہً
 الہ ہے یا خلیفہ کی صورت میں خلیفہ ہے اور جس کی نہ چلے وہ نہ الہ ہے

ذخایہ ہی ہو سکتا ہے۔

جب بات ثابت ہوئی کہ اعتقاد و اعمال سب اور عقل و وحی سے
تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبی میں جو کچھ ہو رہا ہے سب ان کے
اور مشیت سے مراد ہے۔ گو بطور بعض کامر خود تشریح ہی ہو سکتی
گو کہ شرع کا مقرر کرنا بھی خدا کی مشیت سے ہے۔ اور شرع کا
خیر یا شر کا نہ دیتا ہے اور عمل کے وقت وہی نمایاں ہوا اور عبادت
جو بندے کی طبیعت اور فطرت کے مطابق ہو۔ ۵

وہی نمایاں ہونا ہے جس کی مشیت طاعت ہے

دیتا ہے ہر کون تسلیم جس کی مشیت طاعت ہے

مشیت شرع میں مقرر نہیں ہوتی۔ بلکہ مشیت
مشیت کی حکومت پڑتی۔ اور سب اسی وجہ سے اب اس سب
صاحب قلوب نے مشیت کو عین ذات فرض کیا ہے۔ اور
مشیت اپنی ذات سے ادھام مٹاتی ہے۔ ہر حال دنیا میں کوئی شے
ہوتی ہے نہ ممدوم ہوتی ہے نہ مشیت اپنی ہے۔ بعد ہر معلوم ہوتا ہے
لوگ لانا کرتے ہیں امر الہی کا خلاف کرتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ اس
امر الہی کا خلاف واقع ہوتا ہے جو امر انبیاء کے توسط سے دیا جاتا ہے۔
امر کو نبی نہ کہ کن کا خلاف ہرگز نہیں ہوتا۔ جو کہ وہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ
جو جو کام کرتا ہے مشیت کے لحاظ سے دیکھو۔ تو کوئی شے تو ایسی نہ
نہیں کہتا۔ خداوند یہ کہ مخالفت نہ ہوتی ہے۔ جو وہ اسطریقہ
ہوتا ہے نہ کہ امر کو ہی سے اور نہ کہ خود اللہ سے یا اس کی مشیت سے
مخالفت ہوتی ہے۔ یا ہو سکتی ہے۔ اور یہاں پر بھی تو معلوم
ہو کہ امر مشیت فعل کو ہوتا ہے نہ کہ وہ عید کو جس نے فعل کیا ہے۔ وہ اس سے
فعل کو نبی کا حکم دیتا ہے تو تمہیں ہے کہ وہ فعل نہ ہو۔ اصل یہ کہ نہ شرعی
حکم تو توسط انبیاء بندے کو پہنچایا جاتا ہے۔ بعض بندوں کی طبیعت سے
اقتضا اطاعت و امتثال حکم ہوتا ہے تو اس کے فعل کو امر کہتے ہیں۔

بند ہفتم

اور وہ موجود ہو جاتا ہے۔ جس کی طبیعت امتثال امر سے ابا کرتی انکار کرتی ہے۔
تو فعل کو کُن کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اور وہ فعل نہیں پیدا ہوتا ہے۔ ایسی بد طبیعت کو
پھر امر تشریحی دیا ہی کیوں جاتا ہے۔ جبکہ معلوم ہے کہ اطاعت اُس کی طبیعت
کے اقتضا کے موافق نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُس کی بد فطرتی تمام اشخاص کو
معلوم کرانے کے لیے امر تشریحی کیا جاتا ہے۔ ایجا و فعل کا حکم اس صورت خاص
اور محل مخصوص میں نہ ہوگا۔ لہذا بندہ عاصی کا فعل ایک لحاظ سے مخالف امر اللہ ہے۔
اور ایک لحاظ سے اس میں موافقت و طاعت امر اللہ ہے۔ اُس کی اتباع
و موافقت میں حسب حالت مع بھی ہوتی ہے اور مذمت بھی۔

جب واقعات نفس الامری وہ ہیں جو ہم نے بیان کیے کہ اقتضائے فطرت
و طبیعت شے کے مطابق امر تکوینی آتا اور تخلیق صورت و حالت ہوتی ہے
لہذا آل خلق کا اُس کی سعادت پر اور اُس کے کمالات کے ظاہر ہونے پر ہے۔
باوجودیکہ انواع سعادات مختلف اور اُن کے کمالات کا ظہور جدا ہے۔ ہر شے کے
اظہار کمال کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا وسعت رحمتی کل شئی میری رحمت
میں ہر ایک کی سمائی ہے۔ اور سبقت رحمتی غضبی میری رحمت میرے غضب سے
سابق ہے اور سابق تو پہلے ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھو۔ تو پہلے رحمت کا اثر
ہوا تھا جس سے وہ عاصی مخلوق ہوا۔ پھر وجہ عصیاں غضب الہی ہوا تو
سابق نے پھر اپنا عمل کیا یعنی اُس عاصی کو رحمت نے گھیر لیا کیونکہ غضب سے
پہلے رحمت ہی متقدم و سابق تھی۔ یہ معنی ہیں سبقت رحمتی غضبی کے۔ تاکہ
رحمت اپنا کام کرے اُس پر جو اُس تک پہنچتا ہے۔ رحمت سب کے آخر میں۔
غایت و انجام میں قدم جمائے کھڑی ہے۔ ہر ایک اپنی غایت کی طرف سالک
اور رواں ہے۔ لہذا دواں تک پہنچنا بھی ہے جس کے ساتھ رحمت کا پہنچنا اور
غضب کا ختم ہونا بھی ہے۔ لہذا ہر رحمت تک پہنچنے والے کو حسب استعداد۔
حسب حیثیت رحمت کا پہنچنا بھی ہے۔

فَمَنْ كَانَ ذَا فِہِمٍ یُّشَہِدُ مَا قُلْنَا
وَ اِنْ لَّمْ یَكُنْ فِہِمٌ فَاِخْذْنَا عَنَّا
جس کو اللہ نے فہم عطا کیا ہے ہم نے جو کچھ کہا اس کو دیکھتا ہے۔

جزد ہند

جس کو سمجھ نہیں۔ وہ ہم سے لیتا ہے۔

فَمَا شَرَّ آلَا مَا ذَكَرْنَا لَا فَاغْتَمِدْ عَلَيْهِ وَكُنْ بِالْحَالِ فِيهِ كَمَا كُنَّا

وہاں اس کے سوا کچھ نہیں جو ہم نے بیان کیا۔ اس پر اعتماد رکھو۔

اور اس میں صاحب حال بنو جیسے کہ ہم تھے۔

فَمِنْهُ إِلَيْنَا مَا تَلَوْا عَلَيْنَا وَمِنَّا إِلَيْكُمْ مَا وَهَبْنَا لَكُمْ مِمَّا

اللہ کے پاس سے ہم کو جو کچھ پہنچا، وہی ہے جس کو ہم نے تمہیں سنایا۔

ہماری طرف سے جو کچھ تم کو پہنچ رہا ہے وہ ہے جو ہم نے تم کو دیا۔

داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ کا لوہہ کو نرم کر دینا اور اُن کا لوہے سے

زرہیں بنانا اس سے یہ اعتبار لے سکتے ہیں۔ کہ سخت دلوں کو زبرد تو بیچ اور سرزنش بھی

نرم کرتی ہے۔ جیسے آگ لوہے کو نرم کرتی ہے مگر بعض سخت دل ایسے بھی ہوتے ہیں

کہ اُن پر آگ تک اثر نہیں کرتی۔ آگ تو پتھر کو توڑ دیتی ہے۔ اُس کا چونا بنا دیتی ہے۔

یہ بھی ایک اعتبار ہے۔ اس میں ایک تنبیہ ہے کہ لوہا کیوں گھلایا جاتا تھا اس لیے کہ

اُس سے زرہ بنائیں۔ زرہ میں کیا بات ہے۔ لوہے کے ذریعے سے لوہے سے

حفاظت کی جاتی ہے۔ زرہ سے سنان۔ سیف۔ بکین (چھری) بھالے سے

بچاؤ کیا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو کیا دعا سکھائی اللہم انی اعوذ بک منك

خدا یا میں تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ تیرے غضب سے بھاگ کر تیرے دامن رحمت

میں چھپتا ہوں۔ سمجھو۔ یہ اعتبار ہے۔ روح ہے۔ لوہے کے نرم کرنے اور پگھلانے

کی۔ اللہ مفتقم بھی ہے۔ رحیم بھی ہے وہی موفق ہے وہی معین ہے۔



ترجمہ

فضائل الحکام

جزو ہجدهم

فضائل حکماء و فضائل کرام
(۱۸)

۳۲۲

فصل حکمت نفسیہ

در کلمہ یونسیہ

واضح ہو کہ انسانی خلقت و نشأت کو پورے اجزائے ظاہری و باطنی کے ساتھ دیکھو۔ وہ اجزا کیا ہیں۔ روح۔ نفس۔ جسم۔ ہیں۔ تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اور وہ منظر تمام ہے اسم جامع اللہ کا۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ اللّٰہ نے آدم کو اپنی صورت طبعیت اپنی حالت پر پیدا کیا ہے۔ اس تصویر قدرت کو کوئی پھاڑ نہیں سکتا۔ اس مرکب کے اجزا کی تحلیل نہیں کر سکتا۔ انسان کو قتل نہیں کر سکتا۔ مار ڈال نہیں سکتا۔ مگر اُس کا خالق۔ یا تو خود یا اُس کے امر سے، جیسے قصاص میں یا جہاد میں۔ جو شخص بغیر امر خالق کے روح و بدن کو جدا کر دے۔ قتل نفس کر دے۔ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ وہ حدود اللہ سے تجاوز کرتا ہے۔ وہ خانہ خدا کو خراب کرنے میں کوشش کرتا ہے جس کے آباد کرنے کا حکم خدا دیتا ہے اُسے ویران کرتا ہے۔

واضح ہو کہ شفقتہ عباد اللہ برِّ افضل ہے۔ غیرت فی اللہ سے۔ اور

جزء ہفتم

کفار کو مسلمان بنالینا بہتر ہے۔ اُن کے قتل سے۔ ایک مشہور قصہ ہے کہ داؤد نے بیت المقدس کی عمارت بنانی چاہی جب اُس کی تعمیر سے فارغ ہوئے وہ عمارت گر جاتی۔ داؤد نے اس کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر وحی اتاری کہ میرے گھر کی تعمیر وہ مائع نہیں کر سکتے جو خون انسانی میں رنگے گئے ہیں۔ داؤد نے عرض کیا یہ سب کچھ تیری راہ میں نہ تھا۔ فرمایا۔ کیوں نہیں۔ لیکن کیا وہ میرے بندے نہ تھے۔ داؤد نے عرض کیا بیت المقدس کی تعمیر اُس کے ہاتھوں سے کرا جو میری اولاد سے ہو۔ وحی ہوئی کہ تمہارا بیٹا سلیمان اس کو بنائے گا۔ اس قصے سے مقصد یہ ہے کہ خلقت و نشأت انسانی کی رعایت پس قدم ہو سکے بہتر ہے اور عمارت بدن انسانی کو قائم رکھنا اُس کے ہدم اور گرانے سے ادنیٰ ہے۔

دیکھو دشمنان دین کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے کیا کیا رعایتیں کی ہیں۔ ان سے جزیہ لے کر چھوڑ دیئے کا حکم ہے۔ اور اُن پر رحم اور اُن کی بقا کے لیے صلح جائز رکھی گئی۔ فرمایا ہے **وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاِجْعَلْ لَهُمُ اٰیٰتِنَا** تو کُلّ علی اللہ۔ اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ۔ اور اپنے تمام کاموں کو خدا پر چھوڑو۔ اُس پر اعتماد کرو۔ توکل کرو۔

دیکھو جس شخص پر قصاص واجب بھی ہو جائے تو دلی دم و وارث مقتول کو اختیار دیا گیا ہے کہ خدیہ لے لے یا عفو کر دے۔ وارث مقتول نہ مانے تو بیشک قاتل قابل قتل ہوگا۔

دیکھو اولیائے دم و وارثان مقتول بہت سے ہوں اور اُن میں سے ایک دیت پر راضی ہو جائے یا معاف کر دے اور باقی کا ارادہ قتل ہی ہو تو اللہ تعالیٰ عفو کرنے والے کی کیسی رعایت کرتا ہے۔ اور عفو نہ کرنے والوں پر اُس کو ترجیح دیتا ہے۔ لہذا وہ قصاصاً قتل نہ کیا جائے گا۔

دیکھو ایک شخص بزماہ حبیب کریم مارا گیا۔ قاتل کا پتہ ملا۔ وارث مقتول کی نظر میں ایک شخص کے پاس وہ قسم ملا جو مقتول کے پاس ہمیشہ رہتا تھا۔ وارث مقتول نے اُس شخص پر دعوائے قتل کیا جس کے پاس سے قسم ملا۔

حضرت نے فرمایا بلا ثبوت شرعی اگر تو اُس کو قتل کر دے صرف اس گناہ پر کہ مقتول کا
شہرہ اُس کے پاس سے نکلا ہے۔ تو بھی قاتل ہے۔ تو تو بھی اسی طرح ظالم ہو گا
جیسے خود قاتل ہے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا
بدل اتنی ہی برائی ہو۔ قصاص کے بدلے کو برائی فرمایا۔ گو مشاکلے کے طور پر ہے۔
مگر سنیہ تو ضرور فرمایا۔ حالانکہ وہ امر مشروری اور جائز حق ہے۔ مگر ہے
ناگوار طبیعت۔ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ پھر جو معاف کر دے
اور صلح کرے، تو اُس کا اجر اللہ پر ہے۔ کیونکہ یہ قاتل بھی تصویر حق ہے۔ پس
جو وارث مقتول، قاتل کو معاف کرے، اور قتل نہ کرے، تو اُس کا اجر
اللہ پر ہے جس کی صورت پر یہ قاتل ہے۔ جب بندہ عفو کرتا ہے تو حق تعالیٰ
زیادہ مستحق ہے کہ اُس سے عفو قصور کرے کیونکہ اُسی نے اپنے لیے پیدا
کیا تھا۔ اللہ کے اسم ظاہر کی تجلی بندے کے وجود سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔
جس نے انسان کی رعایت کی۔ اُس نے حقیقت میں حق تعالیٰ کی رعایت کی۔
اور اُس کا پاس خاطر کیا۔ انسان اپنی ذات کے لحاظ سے قابلِ مذمت نہیں
بلکہ وہ اپنے افعال بد کی وجہ لائقِ مذمت ہوتا ہے انسان کا فعل اور اُس کی
ذات ایک نہیں ہیں۔ ہم جو کلام کر رہے ہیں وہ ذات انسان میں ہے۔

کوئی فعل ایسا نہیں جس کا بالآخر انجام حدائے تعالیٰ پر نہ ہو۔ کیونکہ بندے
کے افعال کا مرجع۔ صفات۔ صفات کا مرجع ذات۔ اور ذات میں جو متعلق ہیں
وجود متعین کا وجود مطلق۔ وجود مطلق عین ذات حق ہے۔ بہر حال ماسوا اللہ
اللہ تعالیٰ میں مستہلک ہیں۔ ثنائیں اس کے باوجود بعض افعال محمود ہیں اور بعض
مذموم۔ ہر شخص اپنی غرض کے موافق نہ ہونے سے مذمت کرتا ہے مگر
یعنی بر غرض مذمت اللہ تعالیٰ کے پاس مذموم ہے۔

مگر نفس الامریں وہی فعل مذموم ہے جس کو شرک و کفر کے لحاظ سے شرع نے
مذموم ٹھہرایا ہو۔ شرع کی مذمت کرنا یعنی بر حکمت ہے جس کو اللہ جانتا ہے یا
جس کو اللہ نے اس کا علم دیا ہو۔

حرم مجاہد

جیسے شریعت نے قصاص کو جاری کیا کہ اس میں نوع انسانی کی بقا ہے اور قاتل و ظالم کو ظلم و تعدی سے روکنا ہے کہ کہیں حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے
وَلَكُونِ الْقِصَاصِ حَيَوَةً يَا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ قصاص میں تمہارے لیے بڑی
حیات ہے۔ اسے خالص عقل رکھنے والوں۔ اولی الالباب وہ لوگ ہیں جو
اصل و حقیقت سے واقف ہیں۔ اہل دانش و بینش میں۔ نوامیس الہیہ
حقائق حکمیہ کے اسرار و دقائق کے عارف ہیں۔

جب تم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس نشأۃ انسانی اور اس کی بقا کے لیے
اتنی رعایت فرماتا ہے تو تم خود اپنی مراعات کے زیادہ مستحق ہو تمہاری سعادت
اسی جسم سے ہے جب تک انسان زندہ رہتا ہے جس کمال کی تحصیل کے لیے
وہ پیدا ہوا ہے اس کے حصول کی امید ہے جس نے اس کے برباد کرنے
میں کوشش کی اس نے کمال مطلوب کے وصول میں رکاوٹ پیدا کر دی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے۔ کیا تم کو خبر نہ دوں اس
چیز کی جو تمہارے لیے بہتر ہے اور افضل ہے۔ اس سے کہ تم تمہارے دشمنوں
سے ملو۔ پھر وہ تمہاری گردنیں اڑائیں اور تم ان کی گردنیں اڑاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا
جی ہاں۔ آپ نے فرمایا وہ ذکر اللہ ہے۔ یاد خدا ہے۔ ذکر کی فضیلت اس لیے ہے کہ
اس نشأۃ انسانی کی صرف وہی قدر جانتا ہے جو اس سے جو ذکر مطلوب ہے۔
اس کو کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ذکر کا ہم نشین رہتا ہے۔ اور ہم نشین ذکر کو مشہود
ہوتا ہے۔ وہ ذکر جو حق تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ حالانکہ حق تعالیٰ اس کا جلیس ہے
ہم نشین ہے۔ تو وہ حقیقی ذکر ہے ہی نہیں۔ کیونکہ ذکر اللہ تمام جزائے عہد میں
ساری و جاری رہتا ہے۔ وہ تخلیق انسانی کو کیا جانے گا۔ جو صرف زبان سے
خدا کا ذکر کرتا ہے۔ اس وقت تو حق تعالیٰ صرف جلیس لسان ہو سکا۔ تو زبان
اس کو دیکھے گی جس کو انسان اس آنکھ سے نہ دیکھے گا جس سے سب کو دیکھتا ہے۔
ذرا سوچو۔ سمجھو۔ اس راز کو۔ غافلوں کے ذکر میں۔ غافل کا وہ عضو جو ذکر کرتا ہے
وہ حاضر عند الحق ہے اور مذکور یعنی حق اس کا جلیس ہے۔ پس وہ عضو حق کا
مشاہد ہے۔ اور غافل اپنی غفلت کے لحاظ سے نہ ذکر حق ہے۔ نہ حق جلیس غافل۔

جزء مجید

انسان نفس الامری میں کثیر اجزا سے مرکب ہے۔ اس میں مختلف حقائق ہیں۔ روحانیت بھی ہے جسمانیت بھی ہے۔ اُس کی ذات بسیط اور احدی العین نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی ذات بسیط ہے۔ ترکیب کو ذات حق میں گنجائش نہیں۔ حق تعالیٰ احدی العین ہے اور اسمائے الہیہ کے لحاظ سے کثیر ہے۔ جیسے کہ انسان کثیر الاجزا ہے۔ اور ایک جزو کے ذاکر ہونے سے دوسرے اجزا کا ذاکر ہونا کوئی لازمی بات نہیں۔ لہذا حق جل مجدہ جزو ذاکر کا جلیس ہے اور دوسرا جزو ذکر سے غافل ہے۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی جزو ذکر رہتا ہے اور حق اُس جزو کا جلیس رہتا ہے اور باقی اجزا کی اس کے طفیل میں حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خلقت انسانی کو موت سے بھی فنا نہیں فرماتا۔ موت یا اعدام اور نیست کرنا نہیں ہے۔ بلکہ تفریق اجزا ہے۔ تن خاکی سے جدا کر کے اپنی طرف کر لیتا ہے۔ پس موت کیا ہے۔ روح کو خدا کا لینا ہے۔ اَللّٰہُ یَجْعَلُ الْاَمْرَ کُلَّہٗ۔ عالم کا کاروبار سب اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب حق تعالیٰ بندے کو لے لیتا ہے۔ تو اُس کے گھوڑے یعنی حید کے عوض دوسرا گھوڑا تیار کرتا ہے۔ مگر اُسی عالم کے مناسب جس میں وہ منتقل ہوا ہے۔ چونکہ اُس عالم میں اعتدال ہے اس لیے وہ دار البتہا ہے۔ انسان اس میں کبھی نہیں مرے گا۔ نہ اُس کے اجزا کی تفریق ہوتی ہے یا دوزخ والوں کا انجام بھی نعمت و راحت ہے۔ مگر دوزخ ہی میں۔ یہ آئین صورت زمانہ دراز گزرنے کے بعد ضرور ہے کہ دوزخی پر بد آؤسلا مّا ہو جائے اور یہ دوزخ ہی اُن کے حق میں جنت ہے۔ بہشت اہل دوزخ بعد اداۓ حقوق کے بہشت خلیل اللہ ہو جائے گی جبکہ خلیل آگ میں ڈالے گئے تھے۔ خلیل اللہ نے آتش افروختہ کو دیکھ کر تکلیف اٹھائی۔ یہ عذاب نظر ہے، عادت علم و خیال ہے۔ صورت آتش کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے۔ قریب کے حیوان کو، نمدہ کو، رنج و الم پہنچاتی ہے۔ اس آتش سے حق تعالیٰ کی مراد ابراہیم خلیل کے متعلق کیا تھی۔ ناواقف تھے۔ اتنے غم و الم اٹھانے کے بعد تیرا دُوسلا مّا پایا۔ اور خلیل کے حق میں بھی

جنہی ہم

وہ صورت تو صورت ناری تھی اور وہ آتش ہی تھی۔ نامہ ہی تھی لوگوں کی آنکھوں میں۔ ایک ہی شے مختلف نظروں میں مختلف طور سے نظر آتی ہے۔ یہی حال تجلی الہی کا بھی ہے۔ چاہو تو یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں نظر آتا ہے چاہو تو یہ کہو کہ عالم ناظر کی نظر میں اور عالم میں ایسا نظر آتا ہے جیسے بجلی حق ہوتی ہے۔ پس عالم ناظر کی نظر میں اُس کے مزاج کے مطابق نظر آتا ہے اور مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے علم حقایق میں یہ سب درست ہے۔ گوارا ہے اگر ایک میت جو موجب مر جائے یا مقتول خواہ کوئی ہو جب قتل کیا جائے۔ اگر اللہ کی طرف رجوع نہ کرتا۔ اس کی خدمت میں نہ پہنچتا۔ تو اللہ تعالیٰ کسی کے مرنے کا حکم ہی نہ دیتا اور نہ اُس کے قتل کو مشروع کرتا۔ سب اُس کے قبضے میں ہیں۔ اللہ کے لحاظ سے کوئی مفقود نہیں ہوتا۔ لہذا قتل کو مشروع بھی کیا کرتا ہے اور موت کا حکم بھی دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بندہ اُس کے دست قدرت سے نہیں نکل سکتا۔ نہ فوت ہوتا ہے۔ پس اللہ ہی کی طرف وہ رجوع کرتا ہے۔ باوجودیکہ وَالْیَہِ یَرْجِعُ الْأَمْرُ کُلُّہُ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق خود اپنے آپ میں تصرف کرتا ہے۔ وہی متصرف ہے۔ وہی متصرف فیہ۔ پھر کونسی شے اس سے باہر نکلی۔ اور اُس کی عین نہیں۔ بلکہ ہویت حق و ذات مطلق عین ذات مقید ہے۔ وَالْیَہِ یَرْجِعُ الْأَمْرُ کُلُّہُ کے معنی کشف و تحقیق سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔



تراجمنا

فصل الحکم

جز و نوزدهم

فصل حکمت غیبیه و کلام التوبیه
(۱۹)

२२.

تمہید

شیخ کہتے ہیں۔ ہر شے زندہ ہے۔ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْمِعُ بِحَمْدِهِ
وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ہر شے اللہ کی تسبیح و تمہید کرتی ہے مگر تم اُن کی
تسبیح نہیں سمجھتے۔ ہر شے کی تسبیح غاس ہے جو اُس کی فطرت مناسب ہے۔
ہر شے کی حیات پانی سے ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ پانی سے
ہم نے ہر شے کو زندہ پیدا کیا۔ پانی نمائش ہے فیض اقدس و مقدس کی۔
عرش حکومت الہی آب فیض الہی پر قائم اور اسی سے بنا ہوا ہے وَكَانَ عَرْشُهُ
عَلَى الْمَاءِ اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ یا ہے۔

شیخ کہتے ہیں:- اعتدال حقیقی ناممکن الوجود ہے۔ جب تک کسی ایک جزو کا غلبہ
نہ ہو مگر چیزیں ہی نہیں سکتی۔ فلاں شے معتدل ہے، کے معنی ہیں کہ اعتدال حقیقی
سے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفات میں غضب بھی ہے رضا بھی۔ ایک چیز
مربی و پسندیدہ بھی ہو، مفضوب بھی نہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ رضا و غضب صفات متضادہ ہیں۔
لہذا اقتضائے حکمت سے کبھی ایک صفت ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی دوسری۔

شیخ کہتے ہیں:- دوزخیوں پر ہمیشہ عذاب نہ رہے گا۔ بلکہ خود دوزخ میں
اُن کو ایک قسم کی راحت ہو جائے گی۔ گو دوزخ سے نہ نکلیں گے۔ بعض لوگ

جزو نوزدہم

کہتے ہیں کہ الدُّنْيَا مَزْرَعَةٌ الْآخِرَةُ دُنْيَا میں علم صحیح حاصل ہی نہیں کیا۔ جاہل ہی رہے۔ تو آخرت میں علم صحیح کہاں سے آئے گا۔ مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ الْعَمَلِ فَنُوفِي الْآخِرَةَ اَعْمَلِي جویہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے تکلیف رفع ہوتی ہے علم سے جب دُنْیَا میں جہل ہی جہل تھا تو آخرت میں بھی عذاب ہی عذاب رہے گا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔

شیخ کہتے ہیں تکلیف۔ اور اثر شیطانی کیا ہے۔ ادراک حقایق سے بعد غفلت عن اللہ معلوم ہے کہ قرب و بعد۔ اضافی و انتزاعی معنی ہیں موجود فی الخارج نہیں۔ مگر اس کے باوجود اُن کے آثار و احکام ظاہر ہیں۔ ناقابل انکار ہیں۔ شیخ کہتے ہیں صبر کی حقیقت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مطلقاً شکایت نہ کرنا۔ کیونکہ شکایت کرنا رضا بالقضا کے خلاف ہے۔ شیخ کہتے ہیں صبر غیر اللہ کی طرف شکایت نہ کرنا ہے۔ خدا سے تضرع و زاری سے دفع بلا کے لیے دعا کرنا۔ خلاف صبر نہیں۔ بلکہ دعا نہ کرنا پھر الہی سے مقابلہ کرنا ہے۔ محبوب سے مارنے کا اعتراف کرنا جیتنے سے کم نہیں۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے الدُّعَاءُ نَحْوَ الْعِبَادَةِ دعا بندگی کا مغز ہے۔ ہاں خدا سے ناراض ہونا۔ اسباب پر اعتماد کرنا۔ بُرا ہے۔ اسباب کو موثر حقیقی نہ جان کر اُن کا استعمال کرنا بھی بُرا نہیں۔

ایک عارف کو بھوک لگی۔ وہ رونے لگے کسی بد مذاق نے اُن پر اعتراض کیا۔ کہ صبر نہیں کرتے روتے ہو۔ اُس عارف نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی لیے بھوکا رکھا ہے کہ میں روؤں۔ میں اُس کے کام کا مقصد اور غایت پوری کرتا ہوں۔

فصاحت حکمت غنیہ

در کلام الیوبیہ



جانو کہ ستر حیات در از زندگی یعنی وجود حق پانی یا فیض نفس رحمانی یا فیض اقدس و مقدس میں جاری و ساری ہے۔ پس پانی اصل عناصر و ارکان ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ تمام اشیا کو پانی ہی سے حی و زندہ کیا۔ اور رکھا۔ سچ پوچھو تو ہر شے زندہ ہے۔ اور اس میں ستر حیات ہے۔ کیونکہ ہر شے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔ مگر ہم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ مگر یہ کہ اللہ کی طرف سے کشف ہو۔ ظاہر ہے کہ جو زندہ ہو گا وہ تسبیح کرے گا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ہر شے زندہ و حی ہے۔ پس ہر شے کی اصل پانی و فیض الہی ہے۔ دیکھو عرش سلطنت الہی آب فیض اقدس پر رکھا۔ کہ وہ عرش اسی آب فیض سے بنا ہے اور اسی سے بلند ہوا اور اٹھا ہے۔ مگر وہ آب فیض ہی اس عرش حکومت کی حفاظت کرتا ہے جیسے اللہ نے انسان کو بندہ بنایا۔ اور وہ خود اپنے پروردگار سے لگا ہوا رہنے والا ہے۔ اور سر بلند سمجھنے اور حق تعالیٰ باوجود بندے کی اس خود پسندی کے اور اپنی حقیقت سے جاہل رہنے کے تحت اور باطن سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ

جہاں خود کہ سب سے فوق سمجھتا ہے حضرت یہ المہرسلین فرماتے ہیں۔ اگر رشتہ
باندھ کر ڈول ڈالو گے تو حق تعالیٰ ہی یہ اترے گا جسے تشریف فرما ہے کہ
اللہ کچھ جانتا ہے فوق ہی میں منحصر نہیں ہے۔ اس کو تخت و فرق و نواں ہا میں
جیسے اوپر ہے ویسی ہی نیچے بھی ہے۔ فرماتا ہے یَخْلُقُونَ رَجُلًا مِّنْ نَّوْءِہِمْ
وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور فرماتا ہے وَھُوَ عَالِمُ
غُیُوبِ عِبَادِہِ کہ وہ اپنے بندوں پر قاپ و زبردست ہے۔ فوق و تخت سب
اُس کے ہیں۔ جہاں یہ جہات ستہ صرف انسان کے لگاتار سے ہے جو
صورت رتبان پر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عالم کھلانے والا نہیں۔ خدا کی
گروہ موسوی و عیسوی کے متعلق فرماتا ہے اُولَئِہِمْ اَنۡسُوۡا۟ مَا کَانَ
اَرۡوَۡہُ فَاَعۡمَیۡۤہُ اَحۡکَمُ تَوٰرٰتِہٖ اَوِ اِنۡجِیۡلِہٖ اَوِ اِنۡزِیۡلِہٖ فَاَعۡمَیۡۤہُ
وَمَا اَنۡزَلۡنَاۤیۡہِمْ مِّنۡ اٰیٰتِہِمْ اِلَّا اَنۡ یَّحۡکُمُوۡا بِمَا کَانَ اَیۡۡہِمْ
سے نازل کیے گئے ہیں اس میں داخل ہے یہ حکم پر کسی سوال کی زبان پر
یا ابام سے اُترا ہو لا ضَلُّوۡا مِّنۡ مَّوۡقِعِہِمْ تُوۡہِہٖ اِسۡمَہٗ اِسۡمَہٗ
لَمَّا تَہٗ۔ وہ معلم ہے کھلانے والا ہے کیونکہ فرق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب
کی حالت ہے وہیں اُن تَحۡتَ اَرۡجُلِہِمْ اور اپنے پاؤں کے نیچے ہے۔ وہی
کھلانے والا ہے حق سے بھی ترجمان خدا محمد مصطفیٰ کی زبان سے حق ہی
اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے جو حدیث اُولَئِہِمْ یَحۡکُمُ بِمَا کَانَ اَیۡۡہِمْ
سے ثابت ہوتا ہے۔

اگر عرش سلطنت آب فیض پر قائم نہ ہوتا تو اُس کا وجود بھی قائم نہ رہتا کہ
حی اور زندہ کا وجود حیات ہی سے محفوظ رہتا ہے۔
دیکھو زندہ جب عرفی معمولی موت سے مر جاتا ہے۔ تو اُس کے
اجزائے نظام تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اور اس نظم نامس کی قوتیں معدوم
ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایوب کو فرمایا اَرۡکُضۡ بِرِجۡلِکَ ۙ ہَلَّا
مُغۡتَسِلٌۢ بِاَرۡدٍ۔ تم اپنی لات مارو۔ یہ نہانے کی جگہ ٹھنڈی ہے۔ یہاں
مُغۡتَسِل سے مراد پانی ہے حضرت ایوب کو غم و الم کی حرارت بافراط تھی۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کی سردی سے اُن کو تسکین دی۔ دیکھو طلب کیا کرتی ہے۔ زاید کو کم۔ ناقص میں زائد کرتی ہے۔ علاج کا مقصد طلب اعتدال ہے۔ مگر اعتدال حقیقی ناممکن الحصول ہے۔ اُس کی طرف راہ نہیں۔ تاہم طیب طبیعت کو اعتدال حقیقی سے قریب ترکر دیتا ہے۔ عارف کے پاس اعتدال یہ ہے کہ محبت صحو محض اور صاف ہشیاری اور سُکر خالص، خالص نشے کے درمیان ہو۔

ہم نے یہ کہا تھا کہ اعتدال حقیقی کی طرف راہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معرفت حقایق اور کشف و شہود سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آن ہر لحظہ علی الدوام سلسلہ تکوین جاری ہے۔ یعنی تجدّد ایشال ہے فنا بھی ہے وجود بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ تکوین و ایجاد بغیر میل و رغبت خاص کے ہو نہیں سکتی۔ اس میل کو طبیعت حیوانی میں انحراف اور طبالیع غیر حیوانی میں تعضین کہتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے حق میں ارادہ رکھتے ہیں۔ ارادہ کیا ہے میلان حق ہے۔ مراد خاص کی طرف کسی اور طرف کی میلان نہیں۔ اور اعتدال کے معنی تو یہ ہیں کہ تمام اجزا میں تساوی ہوتی ہے۔ اور وہ باہم برابر ہوتے ہیں۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ تو ہے کہ ہم نے کہا کہ اعتدال حقیقی موجود نہیں۔ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ مختلف صفات سے موصوف ہے رضا سے بھی موصوف ہے اور غضب سے بھی۔ رضا غضب کا دور کرنا ہے اور غضب نزل رضا ہے اور اعتدال تو یہ ہے کہ رضا و غضب دونوں باہم مساوی ہوں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ غضب کرنے والا۔ ایک شخص سے راضی بھی ہو اور پھر غضب بھی کرے۔ پس ایک شخص ایک شخص پر دو حکموں میں سے ایک حکم۔ ایک صفت سے موصوف ہوگا۔ یہی میلان ہے۔ اسی طرح ایک شخص ایک شخص سے راضی اور ناراض دونوں نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں بھی۔ دو متضاد حکموں میں سے ایک سے موصوف ہو جائے۔ اور یہ بھی میل ہے۔

ہماری یہ ساری تقریر اس لیے ہے کہ بعض لوگوں کے زعم میں اہل نابہ

وہ باطن ہے۔ وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ وہ ہر شے کو دیکھتا ہے تاکہ مشاہدہ ہو جائے۔ جو علم شہودی ہو جائے نہ کہ تخیلات و علم نظری و فکری۔ عرفا کا علم بھی ذوقی ہے۔ شہودی ہے۔ نہ کہ فکری و تخیلاتی۔ جن یہ ہے کہ علم ذوقی و شہودی ہی علم صحیح ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے۔ وہ ہم گمان۔ اٹکل اور تخمین ہے۔ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو علم کہا جائے۔

وہ پانی اُتوٹ کے لیے پینے کے لیے بھی تھا کہ گرمی و تکلیف تشنگی دور کی جائے۔ تشنگی بھی تکلیف و رنج ہے ایک قسم کا عذاب ہے۔ شیطان کا اثر ہے۔ اختیار میں شیطان سے مراد ادراک حقائق سے بعد ہے۔ جب ادراک ہو تو وہ محل قرب میں ہے۔ پس ہر شہود جس کا مشاہدہ ہو رہا ہو انکھ سے قریب ہے۔ گو مسافت میں بعید ہے کیونکہ مشاہدے کے لحاظ سے نظر و بصر اُس سے متصل ہوتی ہے اگر مبصر سے بصر کا اتصال نہ ہو تو وہ کبھی نظری نہ آئے۔ مشہود ہی نہ ہو۔ تم کو اختیار ہے۔ چاہو تو یوں کہو کہ خضاع نظر مبصر سے متصل ہوتی ہے اُس تک پہنچتی ہے۔ چاہو یوں کہو کہ مبصر مشہود کی صورت آنکھ میں منطبع و نقش ہو جاتی ہے۔ کچھ ہی کہو۔ بصر و مبصر میں اتصال و قرب ضرور ہے۔ اسی لیے اُتوٹ متن کے ساتھ ضمیر شکم لائے اور حسنی المضرا اور اس حس و اثر کرنے کو شیطان کی طرف نسبت دی۔ حالانکہ حس و اثر قریب تھا۔ پھر اُتوٹ علیہ السلام نے کہا۔ جو بعید تھا اب وہ مجھ سے کسی حکمت و راز کی وجہ سے قریب ہو گیا ہے۔

یہ تم کو معلوم ہے کہ قرب و بعد امر اضافی ہیں۔ لہذا قرب و بعد دونوں نسبتیں ہیں۔ انتزاعی ہیں موجود فی الخارج نہیں۔ باوجودیکہ قرب و بعد کے احکام قریب و بعید پر جاری ہیں

اے طالب جان لے کہ ستر الہی جو قصہ اُتوٹ میں بیان کیا گیا ہے۔ کیوں یہ واقعہ ہمارے لیے باعث عبرت و کتاب مسطور۔ حکایت ملحوظ ہے۔ اس کو بڑھ کر اُمت محمدی کیا نصیحت لے گی۔ اُمت محمدی اس واقعے سے حضرت اُتوٹ کی پیروی کرے گی۔ اُس سے اس کا شرف ترقی کرے گا۔

اُس کی بزرگی نہ تھی۔ ویکہ اللہ تعالیٰ نے ایوب کی توبہ کی ایک ایسی وجہ قرار
مناہ انعم اللہ علیہ اواب ہر توبہ کو صواب پایا وہ کیونچہ بندہ اللہ
اللہ کی طرف بڑا ہی جہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تعریف کا ہے کہ توبہ کی توبہ
صبر کرتے ہیں اور دفع ضرر کے لیے دعا بھی کرتے ہیں۔

اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دُعا کرنے والے کو
اُس کے صبر پر کوئی اعتراض نہیں کرتا وہ صواب میں وہ نیک بندہ ہے۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ مستبب کی طرف یعنی اللہ کی طرف جہ کرنے والا
ہے نہ کہ اسباب کی طرف۔ اللہ ایسے بندے کے لیے اسباب پہ اگر نیات
اور خود اُس کا کام کر دیتا ہے۔ کیونکہ بندہ اللہ ہی پر اعتماد کرتا ہے اور اللہ
استناد کرتا ہے۔ مضر اشیاء کے دفع کرنے والے ہیں۔ مستبب اسباب
تو ایک ہی ذات ہے۔ لہذا اُس ذات کی طرف جہ متہ ہے جو اسباب خاص
پہ اگر کے رنج و الم کو دور کرنے والا ہے۔ ایونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ
بعض اسباب موقر ہوئے ہیں علم الہی کے موافق نہیں۔ وہ جو بات اللہ تعالیٰ
نے میری دعا قبول نہیں کی۔ اصل میں اُس نے دعا کی ہی کب تھی اس پر
میلان تو سبب خاص کی طرف توجہ متقاضی زمانہ و وقت کے مناسب تھا
ایوب نے حکمت الہی کی اتباع کی۔ کیونکہ وہ بھی اللہ سے وہ
جانتے تھے کہ صبر غیر اللہ کی طرف شلوہ نہ کرنا ہے۔ نہ کہ اللہ کی طرف۔
بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صبر مطلقاً شکوہ نہ کرنا ہے۔ اور ہمارے پاس
غیر اللہ کی طرف شکوہ نہ کرنا ہے وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شاکاۃ شکوہ کرنا
رضا بالقضا کے مخالف ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ رضا بالقضا
کے خلاف نہ اللہ کی طرف شکایت ہے نہ کسی اور کی طرف، آفت و مصیبت
کی شکایت کرنا۔ بولتے پھرتا مخالف رضا ہے۔ ہم ماسور نہیں ہیں کہ محبت
سے راضی رہیں۔ تکلیف سے ناراض ہونا اور قضا سے ناراض
ہونا ایک نہیں۔

ایک جانتے تھے کہ رفع شکایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا

نہ مانگنا بھی غلطی ہے۔ قہر الہی سے مقاومت اور برابری کرنا ہے۔ اپنی طاقت سے۔
 اپنی بساط کو نہ جاننا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اُس کو بتلائے آلام کر رہا ہے۔ وہ غلط
 کرتا ہے جو خود کو سمجھتا ہے کہ قہر الہی کو برداشت کر لے گا۔ اسی لیے تو دفع الم
 کے لیے دعا نہیں کرتا۔ بلکہ صاحب تحقیق کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے تضرع
 وزاری سے التجا کرے کہ بلا کو دفع فرمائے۔ کیونکہ عارف صاحب کشف
 کے خیال میں بندے سے اذیت کا دور کرنا عین حق تعالیٰ سے دفع اذیت
 کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ بندوں کی تکلیف سے خود اُس کو بھی
 تکلیف ہوتی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ جَٰوِلٌکَ اللّٰہُ وَر
 اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ بھلا اُس سے کیا تکلیف ہوگی کہ اللہ تم کو
 ایک بلا میں مبتلا کرے اور تم اُس سے غفلت میں رہو۔ تم اُس کے مرتبے کو
 نہیں جانتے کہ وہ تمہارے شکوے کی طرف رجوع کرے اور اُس کو دور کرے۔
 اور اس التجا سے تمہاری احتیاج ذاتی و افتقار حقیقی ظاہر ہو۔

ممکن بود امکاں کہ ہمہ عجز و نیاز است

تم حق تعالیٰ سے دفع اذیت کی دعا کرو گے تو اُس کی تکلیف بھی دور
 ہوگی کیونکہ تم ہی اُس کی ظاہری صورت ہو۔

ایک عارف کو بھوک لگی، تو وہ لگے رونے۔ بعض بندگانوں نے
 اُن پر اعتراض کیا۔ اُس عارف نے کہا، اللہ نے مجھے اسی لیے بھوکا رکھا ہے
 میں روؤں۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھے بتلائے ضرر و تکلیف اس لیے
 کیا ہے کہ میں اس ضرر کے دفع کے لیے دعا کروں۔ اُنہما رتذلل و عاجزی
 کروں اور یہ صبر کے خلاف نہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ صبر غیبر اللہ
 کی طرف شکایت نہ کرنا ہے۔ نہ کہ اللہ سے بھی دعا نہ کرنا۔

جب غیر اللہ کوئی نہیں۔ تو کس سے شکایت کی جائے۔ کس سے
 نہ کی جائے۔ سب وجوہ حق ہیں مگر قبلہ دعا، شان قیومیت ہے شان و تاب ہے۔
 ان سب کا اسم جامع اللہ ہے۔ اسی وجہ کو مخاطب کر کے دعا کرو کہ دفع ضرر ہو،
 رفع اذی ہو۔ نہ وہ وجوہ جن کو اسباب کہتے ہیں۔ ہرچند کہ ذات حق ہی کا

سب تشنّقل ہے۔ جمیع اسباب کا، خاص خاص وجود سے عین حق ہونا، عارف کو ذات حق سے، دفع ضرر کے لیے دعا کرنے سے نہیں روکتا۔ اس طریقے کا وہی بندہ پابند ہوتا ہے جو صاحب ادب ہو۔ اسرار الہی کا امین ہو۔ اللہ کے امین بندوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اور بعض امنا بعض کو بھی جانتے ہیں۔ اے طالب حق۔ اہم نے تم کو نصیحت کر دی۔ اب مانگو تو بس اللہ سبحانہ ہی سے مانگو۔



ترجمہ

فصول الحکم

جزو ہفتم

فصل حکمت الایہ و کلام نبویہ
(۲۰)

۲۲۲

فصل حکمت جلالیہ

در کلمہ یحییٰ



حکمت جلالیہ پہلی حکمت ہے اسمائیں۔ جلال و تہرائی موجودات کو فنا کر کے اُس کو عدم ذاتی کی طرف رجوع کراتے ہیں یحییٰ علیہ السلام کے نام میں دو باتیں ہیں۔ ایک یہ پہلا نام ہے جو رکھا گیا۔ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مِنْ تَبْلِ سَمِیًّا ہم نے یحییٰ سے پہلے ان کا کوئی ہمنام نہیں بنایا۔ اور ان کے نام میں حیات کا مادہ ہے۔ گویا ذکر یا علیہ السلام کا نام یحییٰ سے زندہ رہتا ہے۔ ان کا نام کیا ہے۔ گویا علم فوقی ہے۔ کہ جب تک اُس کو نہ جانیں۔ کچھ اس کا پتا نہیں لگتا۔ ہر چند کہ آدم کا نام شیث سے اور نوح کا ذکر شام سے چلا اور دوسرے انبیاء بھی ایسے گزرے ہیں۔

مگر خدا نے کسی کو یہ دو باتیں نہ دیں۔ دنیا میں پہلا نام اور خود اس نام میں اس صفت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ باپ کے نام کو زندہ کرنے والے ہیں۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ذکر یا علیہ السلام ہی کو دی۔

جز دوم

حضرت زکریا نے دعا کی تھی رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيًّا اسے پروردگار! تو مجھ کو دے۔ یہیہ کر۔ اپنی طرف سے ولی۔ دیکھو من لدنک کے لفظ کو جو ذات حق پر وال ہے، ولی کے لفظ سے جو بیٹے پر وال ہے۔ چلے رکھا۔ مقدم کیا۔

جیسے بی بی آسیہ زوجہ فرعون نے عندک بَنَاتِ الْجَنَّةِ بیٹیاں کو مقدم کیا جو ذات حق پر وال ہے۔ نسبت بیت کے کیونکہ انہیں قبل الازد یعنی اول اچھے ہمسایے کو ڈھونڈ دیکر گھر ڈھونڈنا۔

اللہ نے یہی اُن پر کرم کیا کہ حاجت براری کی۔ اور بٹا دیا۔ اور نام رکھا بھی تو ایسا کہ نام کام پر ولایت کرے۔ زکریا نے اللہ سے اولاد کے لیے دعا کی تھی جو باپ کے بقائے نام کا سبب ہے۔ اُس کی قبولیت خود نام سے ظاہر ہو جائے۔ یعنی تو ہمیشہ بے شادی کے ناٹ بند رہے۔ اُن کو اولاد تو ہوئی نہیں۔ پھر اُن سے زکریا کا نام کیا چلا۔ بات یہ ہے کہ انبیاء کے پاس اہم یاد خدا۔ اور تبلیغ و دعوت الی اللہ ہے۔ لہذا زکریا نے اولاد میں بقائے ذکر اللہ کو اختیار کیا۔ اس لیے کہ بیٹا باپ کا راز اور اُس کا خلاصہ ہوتا ہے۔ زکریا کی دعائیں ہے یُرِثُنِي ذُرِّيَّتِي مِنْ تَحْتِیْ وہ لڑکا میرا وارث ہو اور اولاد یعقوب کا وارث ہو۔ انبیاء کا ورثہ ترکہ کیا ہے۔ ذکر اللہ اور اُس کی تبلیغ اور اُس کی طرف دعوت۔

اس کے بعد واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام پر اپنا سلام بھیجا۔ فرماتا ہے وَسَلَامٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔ یعنی پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا جس دن وہ مرتا ہے اور جس دن وہ اٹھے گا زندہ ہو کر۔ اور صفت حیات کی طرف اشارہ کیا جو اُن کے نام سے نکلتا ہے۔ اور اپنے سلام کی اُن پر اطلاع دی۔ ظاہر ہے کہ یہ سلام حق تعالیٰ کا ہے جو حق و صدق ہے قطعی و یقینی ہے۔ جناب عیسیٰ روح اللہ فرماتے ہیں وَالسَّلَامُ عَلَیْ یَوْمَ وُلِدْتُ وَیَوْمَ أَمُوتُ وَیَوْمَ أُبْعَثُ حَیًّا۔ سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔ اور جس دن میں مرے گا اور جس دن میں اٹھوں گا زندہ ہو کر۔

اس قول سے جناب عیسیٰ کی فنایت و اتحاد ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی
 کے متعلق سلام کا فرمانا۔ اُس کا اتحاد و کلام اللہ ہونا۔ اور بلا تاویل ہونا ظاہر ہے۔
 کلام عیسیٰ میں فنایت کی تاویل ضرور ہے، تب کہیں کلام اللہ سمجھا جائے گا۔
 عیسیٰ کا معجزہ اُن کا خرق عادت گہوارے میں کلام کرنا ہے جس وقت
 اللہ تعالیٰ نے اُن کو گویا اور ناطق فرمایا۔ اُس وقت اُن کی عقل قوی اور
 اُن کے قوی کامل ہو گئے تھے۔ حالانکہ وہ بہت چھوٹے بچے تھے۔ پس
 اُس وقت بلحاظ الخبر یحتمل الصدق والکذب کے۔ احتمال عقلی
 کذب کا تو اُس وقت دور ہو گا جب جناب عیسیٰ روح اللہ بڑے ہو کر۔
 بالغ ہو کر۔ اپنے افعال سے ثابت کریں گے۔ بخلاف قول اللہ تعالیٰ کے
 یہی علیہ السلام کے حق میں کہ اس میں احتمال کذب کی گنجائش نہیں غایت الہی
 جو حضرت یحییٰ پر ہے وہ ناقابل التباس ہے۔ بہ نسبت سلام عیسیٰ علیہ السلام کے
 خود اپنے پر۔ اگرچہ قرائن احوال دلالت کرتے ہیں کہ جناب عیسیٰ اللہ تعالیٰ سے
 قریب ہیں۔ اُن کا گہوارے میں اپنی بال کی براءت کے لیے کلام کرنا وہ بھی
 بطور شاہد کے، اُن کے صادق ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔ اور
 دوسرا شاہد تنہ درخت خرما کا ہلنا۔ اور تازہ کھجور کا گزنا۔ بغیر زر کے پھول کے
 مادہ کو ڈالے ہوئے۔

جیسے بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو جنا بغیر خاوند کے۔ بغیر
 مرد کے۔ بغیر زنا شوائی کے تعلقات کے۔ فرض کرو کہ ایک بٹی نے دعویٰ کیا کہ
 میرا معجزہ۔ میری نشانی، یہ ہے کہ یہ دیوار بات کرے۔ اور دیوار نے بات کی۔
 مگر کہا تم کاذب ہو۔ تم رسول نہ ہو۔ تو یہی معجزہ صحیح ہوا اور دیوار کے کہنے پر
 التفات نہ کیا جائے گا۔ اور ثابت ہو جائے گا کہ وہ رسول اللہ ہے۔
 جب کہ یہ احتمال عقلی کلام جناب عیسیٰ میں باقی ہے۔ باوجود اُن کی
 والدہ کے اشارے کے، اُن کی طرف، جب کہ وہ گہوارے میں ہیں۔
 تو اس اعتبار سے سلام خدا یعنی علیہ السلام پر ارفع و اعلیٰ ہے۔
 جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اِنی عبد اللہ کیوں کہا۔ اس واسطے کہ بعض

جواب دہم

نادانوں نے اُن کو ابن اللہ کہا۔ اُن کا معجزہ تو اُن کے بات کرتے ہی ثابت ہو چکا۔ اور اُن کا عبد اللہ مونا بھی اس گروہ کے پاس ثابت ہو گیا۔ جو حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل تھے۔ اب رہ گیا۔ زاید کلام یعنی اتانی الکتاب وَجَعَلْنِي نَبِيًّا۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ یہ سب بے زمانے میں واقع ہوئے اور کذب کے احتمال عقلی کو باطل کر دیا۔ اور گہوارے میں جو کچھ فرمایا تھا، اُس کی صداقت ظاہر ہو گئی۔ ہمارے اشارات کی حقیقت تک پہنچو اور اس کو پہچانو۔



تراجمها

فَضْلُ الْحَكَمِ

جزو بست ویم

(۲۱) فَضْلُ حُكْمَتِ مَالِکِیَةِ دُرِّ کَلَمَةِ زُکْرُو

۳۵۸

تمہید و فضل ذکر و تہذیب



اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَرَهْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ میری رحمت میں ہر شے کی سمائی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کُنْتُ كَفْزًا مَخْضِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعَرِّفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ میں پوشیدہ خزانہ تھا مجھے شوق ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوقات کو پیدا کیا۔ بعض عرفا اصل تخلیق محبت کو سمجھتے ہیں۔ اسی کو بعض لوگ رحمت کہتے ہیں۔
 سب سے پہلے کس پر رحمت ہوئی۔ یا کس کی محبت تھی؟ سب سے پہلے اپنی ذات کی محبت تھی۔

اسیرِ دامِ گیسوئے محبت آپ اپنا ہوں
 جوئیستِ غیر ہے، وہ لبثہ زنجیرِ نسبت ہے (حضرت صدیقی)

شیخ کے پاس رحمت لاتی کا تعلق اپنی ذات سے ہوا۔ پھر اسمائے الہیہ سے ہوا۔ چونکہ اسماء بغیر مظاہر کے بے اثر رہتے ہیں لہذا حق تعالیٰ نے اعیانِ ثابۃ کو فیضِ اقدس سے علم میں نمایاں فرمایا۔ اسمائے الہیہ جب اعیانِ ثابۃ پر اثر کرتے ہیں تو فیضِ مقدس سے شے موجود خا رجی ہو جاتی ہے۔ رحم کا یہ سارا سلسلہ

جذبت یکم

کسی عمل کا ثواب یا جزا نہ تھی۔ جو اس بلا معاوضہ عمل و رحم کو رحمت امتنانی کہتے ہیں۔ موجود فی الخسارج ہونے کے بعد بندہ عمل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کے عمل کی جزا عطا کرتا ہے جزائے عمل رحمت و جوبی کہلاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَتَأْكُلُهَا اللَّذِينَ يَتَّقُونَ میں اپنی رحمت کو لکھ دیتا ہوں متقیوں کے لیے۔

رحمت عام کو رحمانیت کہتے ہیں۔ اور ایک ایک شے سے اُس کے خاص خاص تعلقات کو رحیمیت کہتے ہیں۔

نظام نامہ عالم اور پروگرام تخلیق کے لحاظ سے کوئی شے بُری نہیں۔ سب خیر ہی خیر ہے۔ اجزائے عالم میں بعض کو بعض سے نسبت دیں تو خیر و شرافت پیدا ہوتا ہے۔

رحمانیت جس میں رحم عام ہے۔ اور نفس رحمانی سے تمام عالم کو وجود عطا ہو رہا ہے۔ خیر ہی خیر ہے۔ اصل یہ ہے کہ وجود خیر ہے۔ اور عدم شر ہے۔

صفات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ انضمامی۔ انتزاعی۔ انضمامی میں صفت یک گونہ ذاتی وجود رکھتی ہے۔ مگر موصوف سے مربوط اور اُس سے قائم، مثلاً میرا رومال پھولوں میں بسا ہوا ہے۔ پس خوشبو صفت انضمامی ہے۔ جس کا ذاتی وجود رومال سے مرتبط ہے۔ انتزاعی میں صفت کا ذاتی وجود۔ یک گونہ بھی مستقل وجود نہیں رہتا۔ بلکہ موصوف کو دوسروں سے نسبت و منافقت دی جاتی ہے۔ تو صفت انتزاعی سمجھی جاتی ہے۔ دیکھو عالم میں آسمان و زمین ہیں۔ ان میں باہم نسبت دی جاتی ہے۔ تو آسمان سے فوقیت اور زمین سے تحتیت انتزاع کی جاتی ہے۔ سمجھی جاتی ہے۔ بہر حال صفت انتزاعی کا منشا ضرور ہوتا ہے، جو اُس کے نفس الامری۔ واقعی۔ صدق کی حفاظت کرتا ہے۔ اور کذب اور جھوٹ بلا منشا ہوتا ہے۔

حرولبت دیکم

خدا کے تعالیٰ چونکہ عین وجود ہے۔ اُس کے سوا کسی کو وجود بالذات نہیں۔ مستقل وجود صرف حق جل و علا کا ہے۔ لہذا اُس کے صفات انضمامی نہیں ہیں انتزاعی ہیں جو مختلف اعتبارات سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر اُن کا منشا بھی ضرور ہے اور اُن کے خاص حقائق ہیں۔

صفات الہی عین ذات ہیں، یا غیر ذات۔ اگر صفات الہیہ انضمامی ہوتے تو غیر ذات ہوتے۔ وہ تو انتزاعی ہیں۔ لہذا الایین ولا غیر ہیں یعنی مفہوم و معنی کے لحاظ سے عین ذات نہیں اور منشا کے لحاظ سے غیر ذات نہیں بلکہ عین ذات ہیں۔

اگر ایک اسم الہی کو بولو۔ ذکر میں مقدم رکھو۔ تو اُس کے ساتھ ذات لگی ہوئی ہے۔ ذات کے ساتھ تمام اسمائے الہیہ لگے ہوئے ہیں۔

دیکھو ہم کہتے ہیں اللہ حی۔ علیم قادی ہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ حی ہی علیم ہے علیم ہی قادی ہے۔ معطی ہی مانع ہے یتقم ہی غفار ہے۔ مگر دعا کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ سوال اور مقصد کے مناسب نام سے پکاریں۔ بھوکے ہو تو یَا ذَرِّاقِ اُزِّقْنِ نہ کہ یا مانع اُزِّقْنِ۔ یا غنم اُزِّقْنِ۔ علم کے طالب ہو تو اس طرح دعا کرو۔ یا علیم و یا خبیر عَلِّمْنِ مَن لَدُنْکَ عَلَّمَا۔ ضعیف ہو تو یا قوی پڑھو۔ کشف نہیں ہوتا تو یا علیم یا خبیر یا سمیع یا بصیر پڑھو۔ حل مشکل کے لیے یا فتاح کا ذکر کرو۔ یا۔ اسم کلی کے ذریعے سے سوال کرو مثلاً یا اللہ یا رحمن۔ یا و تَاب یا حی یا قیوم۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ مَّا مَکْرَنَامُ کو کوئی مستقل ذات نہ سمجھو۔ ایک ہی ذات کے عنوانات جانو۔ دیو۔ ویبی پرست۔ اسی چکر میں سرگرداں رہ گئے اور لگے کہنے اَجْعَلْ اِلٰهًا وَاَحَدًا اِنَّ هٰذَا الشَّیْءُ عَجَابٌ مُّحَمَّدٌ نَعْمَ دِلْوَتَاؤُنْ کو ایک ہی خدا بنا دیا۔ یہ تو بڑی تعجب خیز بات ہے افسوس۔! اللہ کے اسماء جو دلیل ذات تھے وہی اُن کے لیے

جزو بہت یکم

حجاب ذات ہو گئے۔ اغراض و مقاصد رکھنے والوں کو ذات سے کیا
 غرض۔ مردان خدا اما سوا اللہ کو آگ لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ خود کو فنا کر دیتے ہیں
 تو ذات حق ملتی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اپنی طرف تو خیر۔
 اسمائے الہیہ کی طرف التفات کرنا بھی شرک سمجھا جاتا ہے۔



فصل حکمت مالکیہ

در کلمہ زکریہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ میری رحمت میں سب کی وسعت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رحمت الہی ہر شے کو وجود دیتی اور اُس پر اُس کے احکام جاری کرتی ہے۔ اور رحمت الہی غضب الہی پر بھی رحمت کرتی ہے۔ اور وجود دیتی ہے اور اُس کا منظر پیدا کرتی ہے۔ پس رحمت غضب پر سابق ہے۔ یعنی رحمت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف پہلے ہے۔ اور غضب کی نسبت بعد۔ ہر عین ثابتہ معلوم الہی۔ اللہ تعالیٰ سے طالب وجود ہے۔ لہذا رحمت الہی ہر عین ثابتہ کو عام ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنی رحمت ہی سے عین ثابتہ کی طلب وجود خاریجی کو قبول فرماتا ہے۔ اُس کو ایسا دکر تا اور وجود بخشتا ہے۔ لہذا اہم نے کہا کہ رحمت الہی ہر شے کو وجود اور اُس کے احکام دیتی ہے۔ اسمائے الہیہ بھی اشیاء میں داخل ہیں۔ ان اسمائے الہیہ کا مرجع اور ان کا منشأ ذات واحدہ حقہ ہے۔

جذبہ دیکھ

سب سے پہلے رحمت ذاتیہ الہیہ کس کو سماتی ہے۔ سب سے پہلے عین ثابتہ کلی یعنی حقیقت محمدی کو رحمت الہی سماتی ہے۔ جو اس کے ظہور کا باعث ہے تاکہ رحمت رحمانی و نفس رحمانی سے نمایاں و ظاہر کرے۔ غرض کہ سب سے پہلے رحمت رحمانی خود اپنے آپ سے متعلق ہوتی ہے۔ پھر عین ثابتہ کلی سے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ پھر رحمت ہر موجود خارجی کے عین ثابتہ سے متعلق ہوتی ہے۔ جو دنیا و آخرت میں عرض و جوہر۔ مرکب و بسیط کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔

رحمت عامہ میں نہ حصول غرض کو دخل ہے۔ اور نہ ملائمت طبع کو۔ بلکہ رحمت کلیہ الہیہ میں ملائم غیر ملائم۔ موافق ناموافق سب کی سمائی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی کی ایجاد و عطا کئے وجود میں کو تا ہی نہیں کرتی۔

ہم نے فتوحات مکیہ میں بیان کیا ہے کہ آثار اعیان ثابتہ و اسمائے الہیہ کے ہوتے ہیں جو انتزاعی ہیں۔ موجود فی الخارج نہیں۔ بلکہ موجود علمی و معدوم خارجی ہی کے آثار موجودات خارجی میں نمایاں ہوتے ہیں اور عجیب علم اور نادر مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کی حقیقت کو در ہی پہنچتا ہے جس کی قوت تخیل اور وہم قوی ہو۔ جس شخص میں وہم و تخیل کام نہیں کر سکتا۔ وہ اس قسم کے مسائل سے بعید ہے

فَرَاحَةُ اللَّهِ فِي الْأَشْوَانِ سَارِيَةٌ

اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام مخلوقات میں جاری و ساری ہے۔

وَفِي الذَّوَاتِ وَفِي الْأَعْيَانِ بَيَّارِيَةٌ

ذوات یعنی اعیان ثابتہ نیز اعیان خارجیہ میں بھی جاری ہے۔

مَكَانَةُ الرَّحْمَةِ الْمَشْلُوبَةِ إِذَا عُلِمَتْ

مِنْ الشُّهُودِ مَعَ الْأَفْكَارِ عَالِيَةٍ

ہر فضیلت رحمت کی مرتبت اگر شہود و تفکر کے ساتھ معلوم ہو تو بہت

بڑی ہے۔

جس کو رحمت الہی یاد کرے وہ خوش بخت و سعید ہے۔ فرایہ بھی تو کہو کہ

جزیت کیم

کیا کوئی ایسی شے بھی ہے جس کو رحمت الہی نے یا نہ کیا ہو؟
نہیں کوئی نہیں۔ رحمت الہی کا اشیا کو یا نہ کرنا ہی تو ان کا ایجاد کرنا ہے۔
پس ہر موجود مرحوم ہے۔

میرے دوست! میرے کہنے سے تمہیں یہ امر حجاب
نہ بنے کہ دنیا میں لوگ بلاؤں میں مبتلا ہیں۔ اور تمہارا
عقیدہ ہے کہ آلام آخرت جس پر عذاب ہوتا ہے اس سے
کبھی کم نہیں ہوتے پھر سب پر رحمت الہی کیسی؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو رحمت عام ایجاد میں ہے۔
آلام پر رحمت نے آرام کو پیدا کیا۔ ثانیاً رحمت کا اثر دو
وجہ پر ہے۔ ایک رحمت کا اثر بالذات اور وہ عین ثابتہ
موجود فی العلم کو ایجاد کرنا، وجود خارجی بخشنا ہے۔ اس
اعتبار میں، نہ غرض کو دخل ہے نہ عدم غرض کو۔ نہ ملامت سے
غرض ہے نہ غیر ملامت سے۔ رحمت ہر موجود کو عین ثابتہ پر
اس کے وجود سے قبل، حال ثبوت میں نظر رکھتی ہے۔
حق تعالیٰ نے ان خیالی معبودوں کو جن کو لوگوں نے اپنے
عقاید میں تراش رکھا ہے۔ اعیان ثابتہ میں سے ایک عین ثابتہ
جانتا ہے۔ یہ عقاید باطلہ کیا ہیں؟ حق مخلوق میں معبود مجعول ہیں۔
کس کے مخلوق ہیں۔ معتقد کے مخلوق ہیں۔ پس بندہ جیسا
اعتقاد رکھتا ہے ویسی ہی اس پر تجلی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ
کی رحمت ذاتی اس پر رحمت کرتی اور اس کو ایجاد کرتی ہے۔
اسی لیے ہم نے کہا۔ حق مخلوق۔ معبود مجعول۔ خدا کے تراشیدہ
الہ باطل اعتقاد ہی۔ ہی پہلی شے ہے۔ جس سے رحمت متعلق
ہوئی اور مرحوم ہوئی۔ اور دوسرے مرحوم کے ایجاد کرنے۔
پیدا کرنے سے پہلے مرحوم ہوئی۔ مگر رحمت دوسروں سے
متعلق ہونے سے پہلے خود اپنے آپ سے متعلق ہوئی

جذبت حکم

یعنی جب تک رحمت خود ظاہر نہ ہوئی دوسروں کو ظاہر نہ کی۔
 رحمت کا تعلق قیل ایجاد حقائق و اعیان ثابتہ سے ہوتا ہے۔
 اسی طرح بعد خلق۔ بعد ایجاد۔ رحمت کا تعلق سوال سے بھی
 ہوتا ہے اور رحمت رحیمہ سوالات اور اقتضا ات کو پورا
 کرتی ہے۔ مگر فطرت۔ حقیقت۔ طبیعت کا اقتضا و سوال،
 زبانی دعاؤں سے زیادہ مستحق ہے کہ اُس کی تکمیل کی جائے۔
 غرض کہ محبوب بے کشف حق تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اُن کے
 عقاید کے مطابق اُن پر رحم کرے۔ آثار نمایاں کرے اور اہل کشف
 خود رحمت الہی کے طالب ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کا نام لے کر
 دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ تو ہم پر رحم فرما۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم
 فرماتا ہے مگر کس طرح۔ خود رحمت کی تجلی اُن پر ہوتی ہے پھر
 وہ خود اپنے پر بھی رحمت کرتے ہیں اور دوسروں پر بھی رحمت
 کرتے ہیں۔

تمام دنیا پر کس کا حکم چل رہا ہے۔ صرف رحمت کا حکم کس کا
 ہوتا ہے صفت کا جو اپنے موصوف میں قائم رہتی ہے شجاعت
 شجاع سے شمشیر زنی کرواتی۔ محبت محب سے آثار محبت ظاہر
 کرواتی ہے۔ بہر حال رحمت ہی حقیقت میں رحم کرنے والی ہے۔
 اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو رحم دینے سے رحمت
 کرتا ہے۔ جب ان میں رحمت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا حکم
 فوق و وجدان سے پاتے ہیں۔ پس رحمت جس کو یاد کرتی ہے
 وہ مرحوم ہو جاتا ہے اور رحمت کرنے والا رحیم و راحم ہے۔
 احکام، مخلوق نہیں ہوتے۔ مخلوق تو موجودات خارجی ہوتے ہیں۔
 حکم تو ایک امر معنوی ہے کہ معانی کلیہ باطنہ اُس کے بالذات
 موجب ہیں۔

پس احوال و معانی باطنہ نہ موجود ہیں نہ معدوم یعنی موجود خارجی

جزو بست دہم

نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ نسبتیں ہیں۔ وہ معدوم محض بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے آثار و احکام ہیں۔ اور معدوم محض پر کوئی حکم و اثر مترتب نہیں ہوتا۔

کیونکہ جس سے علم قائم ہوتا ہے وہ عالم کہلاتا ہے۔ لہذا علم ایک حال ہے۔ پس عالم ایک ذات ہے جو علم سے موصوف ہے۔ پس عالم نہ عین ذات ہی ہے اور نہ عین علم ہی ہے۔ بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک نسبت ہے۔ وہاں تو علم ہے اور وہ ذات ہے۔ جس سے علم قائم ہے۔ عالم ہونا ایک حال ہے۔ اُس ذات کا جس سے علم قائم ہے۔ اس سے علم کی نسبت موصوف سے پیدا ہوئی ہے۔ اُس کو عالم کہتے ہیں۔

اور رحمت حقیقت میں راحم کی مرحوم سے نسبت ہے اور رحمت ہی سے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ پس رحمت ہی رحمت کرنے والی ہے جو مرحوم میں اثر رحمت پیدا کرتی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس لیے اس میں رحمت پیدا نہیں کرتا کہ اُس کا کام نکلے یا اُس کا حال درست ہو بلکہ اُس میں اس لیے رحمت پیدا کرتا ہے کہ دوسروں پر رحم کرے اور خوارق پیدا کرے۔ حق سبحانہ تعالیٰ محل حوادث نہیں۔ پس ایسا نہیں کہ اس میں رحمت حادث اور بعد پیدا ہوئی ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ بغیر رحمت کے راحم نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رحمت عین حق ہے جس کو اس مسئلے کا ذوق نہیں اور اس میدان میں قدم نہیں تو وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے کہ حق تعالیٰ عین رحمت ہے یا کسی اور صفت کا عین ہے۔ لہذا وہ کہتا ہے کہ صفات الہیہ لا عیان ولا غیور یعنی صفات الہیہ انتزاعی ہیں۔ منشا ان کا عین ذات ہے۔ یعنی ذات سے متزعج ہیں اور مفہوم و معنی کے لحاظ سے غیر ہیں پس علیم و قلدیر۔ سمیع و بصیر۔ مفہوم کے لحاظ سے آپس میں غیر ہیں اور منشا و ماخذ و اصل سب کی ذات حق ہے۔ اس مذہب کے شخص کو اتنی قدرت نہیں کہ صفات کو عین ذات کہے۔

جو دیت یکم

لہذا اُس نے لاعین و لا غیر کہا۔ یہ عبارت بھی اچھی ہے۔ مگر صین ذات کہنا زیادہ حق اور مشکلات کو زیادہ دور کرنے والی ہے۔ غرض کہ صفات الہیہ انضمامی نہیں ہیں کہ ذات حق میں قائم و موجود ہوں بلکہ وہ نسبتیں اور اضافتیں ہیں۔ موصوف اور اعیان معقولہ میں جو موجود فی الخارج نہیں۔ رحمت اگرچہ تمام صفات کو جامع ہے مگر ہر اسم کے ساتھ اُس کی نسبت جدا ہے۔

اسی لیے دعا کی جاتی ہے اَسْأَلُكَ بِکُلِّ اِسْمٍ سَمَّیْتَهُ نَفْسُکَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِی کِتَابِکَ۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، جو واسطہ ہر اسم کے کہ تو نے خود کو اُس سے موسوم کیا۔ یا اُس کو اپنی کتاب میں اتارا پس رحمت الہی اور خود اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو سمایا ہے نہ کوئی اُس کی ذات سے خارج ہے۔ نہ اُس کے علم و رحمت سے خارج ہے۔

رحمت الہی کے متعدد شعبے ہیں۔ جتنے اسمائے الہیہ میں اتنے ہی رحمت کے شعبے ہیں۔ ذات کے ایک ہونے سے یہ مناسب نہیں ہے کہ نسبت تو اسم خاص کی طرف کرے اور رحمت کو عام سمجھے کہ وہ ہر چیز کو عطا و پیدا کر دے گی۔ مثلاً ایک شخص دعا کرے رَبِّ اغْفِرْ وَاَرْحَمْ۔ پروردگار۔ یا تو مغفرت کر اور رحم فرما۔ اور سمجھ لے کہ اَرْحَمْ کہنے سے ہر طرح کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے اسماء۔ یہاں تک کہ یہ کہہ دے یا مَنْتَقِرْ اَرْحَمْنِی۔ اسے انتقام لینے والے رحم کر۔ اس خیال سے کہ ذات تو ایک ہی ہے۔

یہ عدم عمومیت رحمت اس لیے ہے کہ یہ اسمائے ذات مسماۃ پر تو دلالت کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ اپنے حقائق سے ایسی معافی پر بھی دلالت کرتے ہیں جو مختلف ہیں۔ پس دعا کرنے والا اُن اسماء کے توسل سے طالب رحمت ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اسماء ذات پر دلالت کرتے ہیں جو اُن اسماء کی مسماۃ ہے۔ اُس ذات کے سوا کوئی اور مقصود نہیں ہوتا دعا کرنے والا۔ اس اسم کے

جزو بہت و کم

معنی و مدلول سے دعا نہیں کرتا جو دوسرے اسم کے معنی و مدلول سے جدا و متمیز ہے۔ جو کوئی اسم ذریعہ تخطیب ہوتا ہے اور دلیل ذات ہوتا ہے۔ تو اُس وقت وہ متمیز نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ ذات مقصود ہوتی ہے۔ مگر ہر اصطلاحی لفظ کی بھی ایک حقیقت ہوتی ہے جو دوسرے سے جدا ہوتی ہے۔ ہر چند کہ اسما ایک ہی ذات پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ پس معلوم ہو گیا کہ اس میں کوئی خلاف نہیں۔ کہ ہر اسم کا ایک حکم خاص ہے۔

چونکہ تمام اسما کی دلالت ایک ہی ذات قدسی پر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ابوالقاسم بن قسٹی نے اسمائے الہیہ کے متعلق فرمایا کہ ہر ایک اسم الہی تمام اسمائے الہیہ پر دال ہے۔ جب تم ایک اسم کو ذکر میں مقدم رکھو۔ تو اُس پر تمام اسمائے الہیہ محمول ہوں گے مثلاً ہم یوں کہیں گے۔ رحمن سمیع و بصیر ہے۔ علیم و قدیر ہے۔ بالغ و معطی ہے۔ خافض و رافع ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سب اسما ذات واحدہ پر دال ہیں۔ اگرچہ بکثرت اسماء اُس ذات پر وارد اور محمول ہوتے ہیں۔ لیکن ان اسماء کے حقائق مختلف ہیں۔

یہ معلوم رہے کہ رحمت الہی بندوں کو دو طرح سے پہنچتی ہے ایک طریق وجوبی ہے۔ اور اس رحمت کو رحمت وجوبی کہتے ہیں۔ فرمایا ہے: فَسَاكِبُهُمُ الَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الشَّرَّ كَوَالًا۔ میں نے اپنی رحمت لکھ دی ہے۔ فرض کر دی ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ رحمت وجوبی وہ ہے جو صفات علمی و عملی سے مقید ہے۔ اور اُس کی جزا و ثواب ہے۔ اور دوسرا طریقہ جس سے رحمت پہنچتی ہے۔ وہ طریقہ امتنان الہی ہے۔ جو کسی عمل کا بدلہ نہیں ہے۔ نہ کسی اور کام کرنے پر موقوف ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ میری رحمت سب کو سمالیتی ہے۔ اسی قسم سے ہے جو فرمایا گیا ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ

جذبتہ الیہ
مَا تَقْدَرُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ كَيْفَ يَأْتِيهِ - رُكْعٌ دَسَّ اللَّهُ تَعَالَى
اِكْلَ يَحْيَىٰ مَلِكِنَ كُنَا هُوَ كُو - اِسَى قَسْمٌ سَيِّئٌ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ
غَضَّاتُ لَكَ - تَمَّ جَوَابُكَ رُو - مِثْلُ نَعْمَتِ كُنَا نَحْشُ دَسِي -
اَوْ عَارِف - اِسْ كُو خُوبٌ سَمِجْه رَكْه -



ترجمہ

فصوص الحکم

جزو سبب دوم

فصل الیاسیہ
(۲۲)

۴۹۲

فصیح حکمت الیاسیہ

شیخ کا خیال ہے کہ الیاس علیہ السلام ہی اور یس علیہ السلام ہیں۔ ادریس
نوح سے پہلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مکان بلند پر اٹھا لیا۔ وہ وسط افلاک
یعنی فلک شمس میں ساکن ہیں۔ شیخ کے خیال میں فلک سے نزول فرما کر
قریۃ بعلبک کی طرف مبعوث کیے گئے۔ بعل ایک بت کا نام ہے اور
بک اُس قریے کا سلطان تھا۔ بعل بت سلطان کے ساتھ خاص تھا۔
الیاس جو پیر ادریس کہلائے عالم مثال میں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ کوہ لبنان
پہنچ گیا ہے (جو لبنان بمعنی حاجت اسے مشتق ہے) اور اُس میں سے
ایک آتشیں گھوڑا نکلا۔ اُس کا ساز و سامان سب آتشیں تھا۔ الیاس نے
اُس کو دیکھا تو اُس پر سو اڑ ہو گئے۔ اور اُن کی شہوت نفسانی ساقط ہو گئی اور
وہ عقل بلا شہوت رہ گئے اور اُن کو اغراض نفسانی کی چیزوں سے کوئی
تعلق نہ رہا۔ اس حال میں حق تعالیٰ اُن کے پاس منزلہ تھا۔ گویا اُن کی معرفت باللہ
نصف رہ گئی۔ اور ایک جانب کی ہو گئی۔ اور تشبیہ سے اُن کی نظر منقطع
ہو گئی۔ اور فرشتہ صفت آدمی ہو گئے۔ کیونکہ عقل جب وہم و خیال سے مجرّد
ہو جاتی ہے اور علم نظری ہی نظری رہ جاتا ہے تو اُس کی معرفت الہی بھی

جز اہت و دہم

شان تنزیہ کی ہوتی ہے نہ کہ شان تشبیہ کی۔ اور جب صاحب عقل پر اللہ تعالیٰ کے تجلیات ہوتے ہیں، اُس کی معرفت کامل ہوتی ہے، تو وہ ایک جگہ تنزیہ کا قائل ہوتا ہے۔ اور ایک جگہ تشبیہ کا۔ اور وہ وجود الہی کو تمام صورتوں طبیعیہ و عنصریہ میں سرایت کرتا ہوا پاتا ہے۔ اُس کے پاس کوئی صورت نہیں رہتی۔ مگر یہ کہ اُس کی ذات کو ذات حق سے جدا نہیں سمجھتا۔

یہ معرفت تامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس سے منزل شرایع اُن کو لے کر آئے ہیں اور تمام اوہام و احساسات و تصورات اسی کا حکم کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نشأت انسانی میں عقل سے زیادہ اوہام کا غلبہ ہے کیونکہ عاقل مراتب عقلی میں کتنی ہی ترقی کرے۔ مگر تعقل میں حکم و ہم و تصور سے خالی نہیں رہتا۔

پس وہم سلطان اعظم ہے۔ اس صورت کا ملکہ انسانیہ میں اور آمیزش وہم و تصور کے ساتھ شرایع الہیہ اترے ہیں۔ شرایع میں تشبیہ بھی ہے اور تنزیہ بھی۔ تشبیہ ہے تو وہم سے تنزیہ کے ساتھ۔ تنزیہ ہے تو عقلی تشبیہ کے ساتھ۔ پس تشبیہ و تنزیہ دونوں آپس میں ملے جلتے ہیں۔ تنزیہ تشبیہ سے خالی نہیں۔ اور تشبیہ تنزیہ سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَیْسَ كَمِثْلِهِ شَیْءٌ اس آیت میں دو احتمال ہیں۔

(۱) کاف زائد اس تقدیر پر معنیٰ یہ ہوں گے۔ اس کے جیسا کوئی نہیں۔ یہ تنزیہ ہے۔

(۲) کاف غیر زائد۔ اس تقدیر پر یہ معنیٰ ہیں۔ اُس کے مثل کے جیسا کوئی نہیں۔ یعنی اُس کی تجلی مثالی کے برابر کوئی نہیں۔ تشبیہ ہے وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ وہی ہے سنے والا اور دیکھنے والا۔ یہ تشبیہ ہے۔ یہ بڑی زبردست آیت ہے جو تنزیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اس کے باوجود کاف کی وجہ سے تشبیہ سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو سب سے زیادہ جامع اور واثق ہے۔ اُس نے اپنی ذات کی تعبیر اور بیان تو ایسا ہی فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

جو درست مومن

پھر فرماتا ہے پاک ہے تیرا رب یا محمدؐ! صاحب عزت و قوت
 اُن اوصاف سے کہ عقل والے بیان کرتے ہیں۔ اللہ کی صفت اہل عقل
 وہی بیان کریں گے جس کو اُن کی عقلوں نے دیا۔ جو اُن کی سمجھ میں آیا۔ لہذا
 اللہ تعالیٰ نے اُن اہل عقل کی تنزیہ سے بھی تنزیہ کی۔ اور خود کو اُس سے پاک
 ظاہر کیا۔ اہل عقل کی تنزیہ کیا ہے۔ ایک قسم کی تحدید ہے۔ کیونکہ اُن کے
 عقول عاجز و قاصر ہیں۔ کامل تنزیہ کرنے سے۔

تمام شرایع ایسے احکام لے کر آئے ہیں جو تصورات و ادبام میں
 آسکیں اور اُن کی صحت کا یقین کر سکیں۔ پس حق جن جن صفات میں ظاہر
 ہوتا ہے بغیر ظہور باقی نہ رہے۔ ادیان و شرایع یہی کہتے ہیں۔ اور انہی کو
 لے کر آئے ہیں۔ امتیں اس کو سمجھتی ہیں۔ حق تعالیٰ اُن پر تجلی فرماتا ہے
 اور وہ پیغمبروں سے وراثت ملحق ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔
 پیغمبروں نے جو کچھ کہا وہ بھی وہی کہتے ہیں۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالۃ
 اللہ خوب جانتا ہے جہاں رسالت کو رکھتا ہے اور جس کو رسول بناتا ہے۔
 پس اللہ اعلم کی دو توجہیں ہو سکتی ہیں۔ پوری آیت یہ ہے۔ قَالُوا لَنْ
 نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتٰی مِثْلَ مَا أُوتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالۃ
 اللہ کہتے ہیں کہ یہاں دو توجہیں ہیں (۱) مَاسَلُ اللّٰہِ اعْلَمُ۔ رسول اللہ
 مبتدا۔ اللہ اعلم خبر۔ معنی یہ ہوں گے۔ رسولان خدا مظاہر خدا ہیں۔ مجمل رسالت کو
 خوب جانتا ہے۔

(۲) رُسُلُ اللّٰہِ کا جملہ الگ اور اللہ اعلم الگ جملہ۔ اس جملے
 میں اللہ مبتدا۔ اعلم الخبر یہی معنی درست ہیں۔ اللہ رسولوں کی قابلیت و حمی
 و استعداد تبلیغ کو جو لوازم رسالت سے ہیں۔ خوب جانتا ہے۔ شیخ کہتے ہیں یہ
 دونوں توجہیں اس آیت میں حقیقت ہیں۔ اسی لیے ہم تشبیہ فی التنزیہ و تنزیہ
 فی التشبیہ کے قائل ہیں۔

جب یہ ثابت ہو چکا تو اب ہم معتقد یعنی پیر و عقل اور معتقد یعنی تاویل
 نہ کرنے والوں کی بحثوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ یعنی اُن کے لیے مزید

جذبت دوم

توضیح و تشریح نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ بے معرفت معتقد و معتقد بھی حق تعالیٰ کی تجلی گاہوں میں سے ہیں۔ مگر ہم کو نا اہل سے سترو پر وہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ اُن کی استعداد و صورت اور قابلیت حقائق و اعیان کا تفاعل اور کمی و زیادت ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ کسی خاص صورت میں تجلی کرنے والا اس صورت کی استعداد کے مطابق ظاہر ہوتا ہے۔ پھر تجلی و جلوہ گر کی طرف وہ سب امور منسوب ہوں گے جو اس صورت کی حقیقت اور اُس کے لوازم کے مقتضی ہیں۔ یہ ضرور ہونے والی بات ہے جیسے ایک شخص اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھتا ہے کوئی اس کا انکار نہیں کرتا اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ حق تعالیٰ اس صورت مرعی کا عین ہے اور اُس کی اصل و مقصود ہے۔ پس اس صورت کے جس میں تجلی ہوئی ہے اور اُس کے حقائق کے لوازم کے موافق ہی رویت و دیدار ہوگا۔

پھر صرف تنزیہ کا قائل وقت تعبیر عبور اور تجاوز کرے گا۔ ایک دوسرے امر کی طرف جو عقلاً مقتضی تنزیہ ہے۔ اور تنزیہ و تشبیہ دونوں کا قائل و صاحب کشف مثالی و ایمانی، اس صورت سے لفظ تنزیہ کی طرف نہ جائے گا بلکہ اس صورت کو تنزیہ کا بھی حق دے گا اور تشبیہ اور اُس کے لوازم کا بھی حق دے گا جس میں اُس کا ظہور ہوا ہے۔ پس اللہ حقیقت اشارات کے سمجھنے والے کے لیے ایک عبارت ہے۔

اس حکمت کی روح اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ امر و شان الہی کی دو قسمیں ہیں مؤثر اور متاثر۔ یہ دونوں ایک ہی حقیقت کی دو عبارتیں ہیں۔ دو اعتبار ہیں پس مؤثر ہر وجہ سے ہر حال میں اور ہر حضرت و مقام میں اللہ ہی ہے۔ اور متاثر ہر وجہ سے۔ ہر حال میں۔ ہر حضرت و مقام میں عالم ہے۔

اگر کوئی شے تمہارے سامنے آئے تو اُس کو اُس کے مناسب اصل کے ساتھ ملا دو۔ کیونکہ آنے والا نوع ہوتا ہے کسی نہ کسی اصل کی۔ اور محبت الہی بندے کے لوافل سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ محبت مؤثر و متاثر میں ایک اثر ہے اور اس سے حق تعالیٰ بندے کی سماعت و بصارت و فہمی ہر جاتا ہے۔

یہ امر ثابت و مقدر ہے۔ اور تم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ شرع سے ثابت ہے بشرطیکہ تم صاحب ایمان ہو۔

اب رہ گیا صاحب عقل سلیم رہ یا تو صاحب تجلی ہے، تجلی کا وہ مجلی طبعی میں۔ پس ہم نے جو کچھ کہا وہ اُس کو سمجھتا ہے یا مومن مسلم ہے تو اُس پر ایمان رکھتا ہے جس طرح کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔

جس صورت میں حق تعالیٰ کی جلوہ گری ہو ضرور ہے کہ بحث و گفتیش کرنے والے پر وہم و تخیل صحیح غلبہ کرے۔ کیونکہ وہ اس صورت طبعی کے مرآۃ ہوئے کالیقین اور اُس پر ایمان رکھتا ہے۔ مگر وہ صاحب عقل جو یقین نہیں رکھتا وہ خیال و وہم صحیح پر وہم فاسد کو غالب کر دیتا ہے۔ وہ اپنی نظر عقلی و فکری سے خیال کرتا ہے۔ کہ خواب میں جو تجلی ہوئی ہے وہ حق تعالیٰ پر ناجائز و محال ہے۔ اور اُس کو شعور بھی نہیں ہوتا۔ اور وہم فاسد ہے کہ اُس سے جدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنی حقیقت سے غافل ہے۔

منجملہ اس حکم کے حق تعالیٰ میں صورت ہے۔ اور امر الہی منقسم ہے مؤثر و متاثر میں۔ آیات ذیل کے معانی یہی ہیں۔ قوله تعالیٰ اِذَا دُعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لِكَلِمَةٍ تَدْعَا فِيْهَا قَوْلٌ قَبِيْلٌ كَرِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِذَا اَسْأَلُكَ بِعِبَادِيَّتٍ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَبِيْلٌ اَجِيْبٌ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا نِ۔ محمد! تم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں۔ تو میں تو قریب ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ مجیب تو مجیب ہی ہوتا ہے کہ داعی ہو۔ اگرچہ داعی کی ذات مجیب کی ذات ایک ہی ہو۔ داعی و مجیب کی صورتوں کے اختلاف میں کسی کو خلاف نہیں۔ بیشک داعی و مجیب دو مختلف صورتیں ہیں۔ یہ تمام صورتیں ذات حقہ کے لیے ایسی ہیں جیسے مثلاً زید کے لیے اعضا۔ تم کو معلوم ہے کہ زید حقیقت واحد شخص ہے اور یہ کہ ہاتھ کی صورت نہ اُس کے پاؤں کی صورت ہے۔ نہ سر کی نہ آنکھ کی۔ نہ بھوں کی۔ پس زید کثیر بھی ہے اور واحد بھی۔ وہ صورتوں کے لحاظ سے کثیر ہے اور ذات کے لحاظ سے واحد ہے۔

جزوبت دوم

ایسا ہی انسان اپنی حقیقت و عین باہریت کے لحاظ سے بیشک واحد ہے اور یہ بھی بیشک ہے کہ اُس کے افراد میں سے عمر و زید ہے نہ خالد نہ جعفر۔ اس میں بھی کیا شک کہ حقیقت و عین واحدہ کے اشخاص و افراد کا وجود غیر متناہی عند حد ہے۔ پس وہ صورت و اشخاص کے لحاظ سے کثیر ہے۔

اگر تم ایماندار ہو تو تم کو علم قطعی ہے کہ خود حق تعالیٰ بروز قیامت ایک صورت میں تجلی فرمائے گا۔ اور لوگ اُس کو پہچان لیں گے۔ پھر ایک دوسری صورت میں بدل جائے گا اور لوگ نہ پہچانیں گے۔ پھر ایک اور دوسری صورت میں بدل جائے گا اور لوگ پہچان لیں گے حالانکہ تمام صورتیں حق تعالیٰ ہی متجلی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے اور معلوم ہے کہ یہ صورت وہ دوسری صورت نہیں ہے۔ پس گویا کہ حق تعالیٰ کی ذات واحدہ بجائے مرات و آئینہ کے ہے جب دیکھنے والا آئینہ حق میں اپنی اعتقادی صورت متعلق بحق کو دیکھتا ہے تو پہچانتا بھی ہے اور اُس کا اقرار بھی کرتا ہے۔ اور اگر یہ اتفاق سے آئینہ حق ہی میں کسی اور کی اعتقادی صورت دیکھے تو اس سے انکار کر جاتا ہے جیسا کہ آئینے میں اپنی صورت کے ساتھ کسی اور کی صورت دیکھے پس آئینہ ایک ہے۔ اور دیکھنے والی کی نظریں صورتیں بہت سی ہیں حالانکہ سچ پوچھو تو خود آئینے میں اُن تمام صورتوں سے ایک بھی صورت نہیں۔ حالانکہ مرآة و آئینے کو بھی صورتیں ایک وجہ سے اثر ہے۔ اور ایک وجہ سے اثر نہیں بھی ہے۔ آئینے کا اثر جو وہ کرتا ہے یہ ہے کہ وہ شکل کو متغیر کر کے منعکس کرتا ہے۔ بڑا آئینہ بڑی صورت کو، چھوٹا آئینہ چھوٹی صورت کو دکھاتا ہے۔ اسی طرح طول و عرض کا حال ہے۔ آئینے کا اثر مقادیوں میں ہے۔ مقادیر آئینے کی طرف منسوب ہوں گے۔ یہ تغیرات آئینے کی طرف اس لیے منسوب ہوں گے کہ اُس کے مقادیر مختلفہ میں ہر بقدر وسع آئینہ ہوا آئینہ گزراہر (حسرت) بنا کر آئینہ خانہ وہی محو تماشا ہے مسئلہ زیر بحث میں متعدد آئینے نہ سمجھو بلکہ ایک ہی آئینے کو خیال کرو۔ اور وہ ذات حق کو جو واحد ہے، محل نظروں رکھو۔ اس لحاظ سے ذات حق غنی عن الظہین ہے۔ اور بلحاظ اسمائے الہیہ کے اس وقت ذات حق کو متعدد آئینے سمجھو۔ جس اسم الہی میں تم اپنی ذات کو دیکھو۔ یا کوئی اور دیکھے تو نظر ناظر میں اسی اسم کی حقیقت و ماہیت

جزو ہفتم

ظاہر ہوگی۔ واقعہ تو یہی ہے۔ اگر سمجھ گئے ہو تو نہ بیقرااری کرو نہ خوف۔ اللہ شجاعت کو دوست رکھتا ہے اگرچہ ایک سانپ کے مارنے میں ہو۔ سانپ کیا ہے؟ تمہارا نفس ہے۔ اس مار نفس کی ذات زندہ و باقی رہتی ہے صورت خیالی اور حقیقت علمی و ماہیت ذہنی و عقلی کی بقا سے۔ شے کی ذات ہرگز فنا نہیں کی جاسکتی۔ گو کہ حس ظاہر میں صورت خارجی فاسد اور مٹ ہی کیوں نہ جائے۔ کیونکہ اس کی حد حقیقت یعنی عین ثابۃ اُس کی حفاظت کرتا ہے اور خیال یعنی عالم مثال اُس کو زائل ہونے نہیں دیتا۔ یہ عدم فنا و ذات و حقائق کے لیے ایک قسم کی عزت و قوت ہے۔ کیونکہ تم حقائق کو مٹا نہیں سکتے۔ پھر اس قوت سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ تم فانی ہو۔ تم نے وہم و خیال پکالیا کہ کسی کو قتل کیا۔ فنا کر دیا۔ مگر وہ کب فنا ہوتا ہے عقل و وہم میں اس کی صورت حقیقت میں موجود رہتی ہے۔ یہاں عقل سے مراد علم الہی و عین ثابۃ ہے۔ اور وہم عالم مثال ہے کہ خیال کلی عالم ہے۔ اُس پر یہ دلیل ہے۔ فرماتا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ یا محمدؐ! جب تم نے بظاہر پھینکا تو حقیقت میں نہیں پھینکا بلکہ اللہ ہی نے پھینکا۔ آنکھوں نے تو صورت محمدؐ یہی کو دیکھا۔ جس کے لیے حس ظاہر میں رمی یعنی پھینکنا ثابت ہے۔ اسی صورت سے اللہ تعالیٰ نے نفی رمی بھی کی ہے یعنی حضرت نے بالذات نہیں پھینکا و مَا رَمَيْتَ پھر اسی صورت محمدؐ کی کے لیے رمی ثابت کی گئی باعتبار توسط اور واسطہ ہونے کے اذرمیت پھر بالذات پھینکنے والے کو صاف طور پر بیان کیا۔ کہ وہ اللہ ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی مگر صورت محمدؐ میں۔ اس پر ایمان لانا ضرور ہے۔ کیونکہ یہ آیت قرآنی ہے۔ اس شان تاثر و موثر کو دیکھو۔ کہ حق صورت محمدؐ میں نزول فرماتا ہے۔ دیکھو حق تعالیٰ نے اپنے نفس کے متعلق اپنے بندوں سے اُس کو فرمایا ہے ہم میں سے کسی نے تو اللہ کی طرف سے۔ یہ بات نہیں گھڑی۔ بلکہ وہ خود اپنے متعلق فرماتا ہے۔ اس کا فرمان حق ہے۔ اُس کی خبر صادق ہے جس پر ایمان واجب ہے۔ چاہے اُس کا فرمودہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ پھر تم یا تو صاحب تحقیق اور عالم ہو یا صاحب ایمان و تسلیم ہو۔

نظر عقلی کے ضعف پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ عقلاً فکر و نظر سے یہ حکم لگاتے ہیں کہ معلول ہرگز علت کی علت نہیں ہو سکتا۔ یہ حکم عقلی ہے۔ واضح ہے۔

جزو ثانی

مگر علم تجلی و کشف میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہہ ہی علت کی علت معلول بھی ہو جاتا ہے۔ عقل کا یہ حکم صحیح و درست بشرطیکہ کشف و شہود سے قطع نظر کریں۔ کیونکہ اگر علت اپنے معلول کی معلول ہو جائے تو تقدم الشئ علی نفسه اور دور لازم آتا ہے جو محال ہیں۔ علت کے معلول معلول نہ ہونے میں زیادہ سے زیادہ عقل بے کشف و شہود جو کہہ سکتی ہے۔ یہ ہے کہ جب دلائل نظری کے قیاسات کے خلاف یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان امور کثیرہ میں ذات واحدہ حقہ ہی ہے۔ تو ان صور کے لحاظ سے مختلف حیثیات و اعتبارات پیدا ہوتے ہیں۔ پس وہ ذات واحدہ اس حیثیت سے کہ وہ ایک معلول کی علت ہے صورتوں میں سے ایک صورت میں تو وہ علت ہونے کی حالت حیثیت سے معلول معلول نہ ہوگی۔ بلکہ اس ذات کی صورتوں میں منتقل ہونے سے حکم بھی منتقل ہوگا۔ پھر وہ ایک اعتبار سے معلول معلول ہوگی۔ تو اس کا معلول اس کی علت ہو جائے گا۔ یہ بڑی غایت کہ وہ عقل ہے۔ جبکہ حقیقت نفس الامری پر اس کی نظر ہو۔ اور نظر فکری ہی پر قانع نہ ہو۔ علت کے سمجھنے میں نظر عقلی کی یہ حالت ہو تو اس تنگنائے کے سو کیا حالت ہوگی۔

حق یہ ہے کہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم سے زیادہ کوئی صاحب علم نہیں ہے۔ انھوں نے وہ سب چیزیں بیان کر دیں جو جناب الہی کے متعلق ہیں عقل میں کو ثابت کرتی ہے ان کو بھی ثابت کیا اور اس کے سوا دوسری چیزیں بھی ثابت کیں جن کے ادراک میں عقل مستقل نہیں۔ بلکہ ان کو بالکل محال سمجھتی ہے۔ اور تجلی الہی ہوتی ہے تو اس کا اقرار کرتی ہے پھر جب تجلی کے بعد تنہا بیٹھا ہے تو جو کچھ دیکھا ہے اس میں حیران ہو جاتا ہے۔

غایت معرفت و علم ہے ناداں ہونا (حسرت) سرمہ دیدہ تحقیق ہے حیراں ہونا پھر اگر عبد رب ہے۔ تابع تجلیات ہے۔ تو عقل کو تابع عرفان تجلی کر دیتا ہے۔ اگر زندہ نظر و فکر ہوتا ہے تو حق کو حکم عقلی کے تابع کر دیتا ہے اور تاویل کرتا ہے۔ یہ ساری کشمکش عالم و نشأت دنیا میں ہے جبکہ دنیا میں مشغول ہو کر نشأت آخرت سے محجوب ہے۔ جو عارفین میں وہ بظاہر صورت دنیوی میں ہوتے کیونکہ ان پر اس دنیا میں احکام دنیا جاری ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن کو عالم آخرت کی طرف پھیر دیا ہے۔

جزبہ دہم

یہ خلوت در انجمن ہے۔ دل بیا رو دست بکار ہے۔ وہ ظاہری حالات کی وجہ سے پہچانے نہیں جاتے۔ مگر وہ شخص جان سکتا ہے جس کی چشم بصیرت سے اللہ تعالیٰ نے پردے اٹھا دیے ہیں پس وہ عارف باللہ سے بلحا فہم تجلی الہی کے دیکھے گا۔ کہ وہ عالم آخرت میں ہے دنیا ہی میں اُس کا حشر ہو چکا ہے اور وہ قبر سے اٹھایا گیا ہے۔ اور وہ ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھتے، اور اُس کو ایسی چیزوں کا شہود ہوتا ہے جو دوسروں کو نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و توجہ خاص ہے اپنے خاص بندوں پر۔

اگر کوئی شخص اس حکمت الیاسیہ اور یسیہ کو جاننا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ حکم عقلی سے جو شہوات کا باعث ہوتا ہے تنزل کرے اور حیوان مطلق بن جائے۔ الیاس علیہ السلام کے متعلق شیخ کا خیال ہے کہ اُن کا نام پہلے اوریش تھا وہ نوح کے پہلے پیغمبر ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اٹھالیا اور ایک زمانے کے بعد پھر رسول بنا کر زمین پر بھیجا۔ اور اس دفعہ اُن کا نام اوریش ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو منزلیں اور مرتبے عطا کیے۔

جو شخص حیوان مطلق ہو جاتا ہے اُس کو وہ سب چیزیں معلوم و مشکشف ہو جاتی ہیں جو جن وانس کے سوا دوسرے حیوانات کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر اُس کو اپنی حیوانیت کی تحقیق ہو جاتی ہے۔

مرتبہ حیوانیت کی تحقیق کی دو علامتیں ہیں۔ (۱) یہ کشف جو حیوانات کو ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کون قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور کون نعمت سے سرفراز ہوتا ہے۔ وہ میت کو زندہ۔ بے زبان کو مستحکم ٹھہرنے والے کو چلتا دیکھتا ہے۔ (۲) الیاس شخص کو نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگر وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ تو ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ اس وقت اُس کو مرتبہ حیوانیت کا تحقیق ہو جاتا ہے

شیخ کہتے ہیں ہمارا ایک شاگرد یا مرید تھا کہ اُس کو یہ کشف حاصل ہوا تھا مگر اُس کا گوشت کا پٹن محفوظ نہ رہا۔ لہذا اُس کو مرتبہ حیوانیت کا تحقیق نہ ہوا۔

جب مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام میں قائم کیا۔ تو میں نے اپنی حیوانیت کا پورے طور پر تحقیق حاصل کیا۔ میری یہ حالت ہو گئی تھی کہ آنکھوں سے دیکھتا اور منہ سے

بولنا چاہتا تو بول نہ سکتا۔ گونگے جو بات نہیں کر سکتے اُن میں اور خود میں میں نہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔

بزدلتی دوم

جب انسان مقام حیوانیت سے ترقی کرتا ہے تو عقل مجرد عن المسادہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جو اصول عقائد میں ان اشیاء کی جو محسوس طبعی و عنصری میں نمایاں و ظاہر ہوتے ہیں وہ بطور علم و قوتی کے جان لیتا ہے کہ یہ حکم صورت طبعی میں کہاں سے ظاہر ہوا۔ اگر اس کو اس کا کشف ہو جائے کہ طبیعت ہی نفس رحمان ہے تو اُس کو غیر کثیر مل گیا۔ عقل پر حکومت کرنے والی اتنی معرفت کافی ہے۔ اور وہ عارفین میں شامل ہو جائے گا۔ اور اس کو علم ذوقی سے معلوم ہو جائیں گے معنی قَلَمٌ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ كَی یعنی تم نے قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے اُن کو قتل کیا۔ حالانکہ اُن کو تلوار نے۔ خسار ب نے اور اُس شخص نے جو لوہے کو تلوار کی صورت دی ہے یعنی لہار نے قتل کیا ہے اور ان تینوں کے مجموعے سے قتل واقع ہوا۔ عارف چیزوں کو ان کی اصلوں اور صورتوں کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اس شخص کی معرفت تام ہوتی ہے۔ اگر نفس رحمانی کو بھی دیکھ لے۔ اُس کا بھی مشاہدہ ہو جائے۔ تو اُس کی معرفت تام بھی ہے اور کامل بھی۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کو دیکھئے گا۔ اور ہر مرنی کا عین دیکھئے گا۔ پھر دیکھئے گا راہی (دیکھنے والا) عین مرنی (دیکھا ہوا) ہے۔ اتنا عرفان کافی ہے وَهُوَ الْمَوْفِقُ وَالْهَادِی۔



تاجسنا

فصول الحکم

جزو بیت و سوم

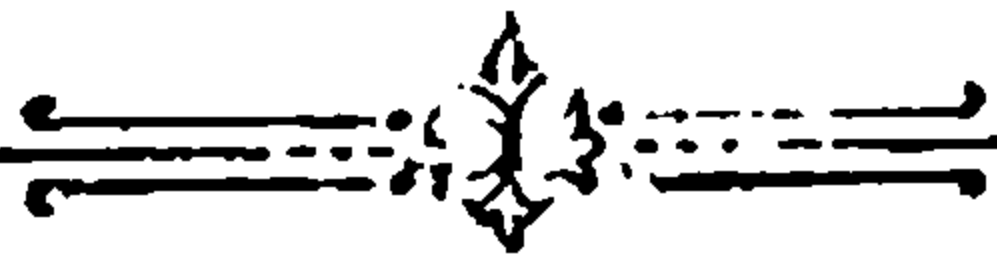
فصل حکمت احسانیه بکلمه لقمانیه
(۱۳)

۲۷۸

جزء دوم

فصل حکمت احسانہ

بکلمہ لقمانیہ



إِذَا شَاءَ إِلَٰهٌ يُرِيدُ رِزْقَهَا لَهُ فَالْكَوْنُ لَجَعَدَا غِذَاً
 جو شے کھائی جاتی ہے۔ فنا ہو جاتی ہے۔ چھپ جاتی ہے۔ جب
 فنایت آتی ہے تو ساری دنیا اُس میں چھپ جاتی ہے۔ گویا اُس کی غذا
 ہو جاتی ہے۔ اور گویا وہ سب کو کھا گیا۔ نگل گیا۔
 ممکنات کا ظہور ہوتا ہے۔ تو امداد و وجود ہم میں مختفی و پوشیدہ ہو جاتی ہے۔
 مراتب داخلی میں جو قبل کن ہیں ہم خدائے تعالیٰ میں تھے اور مراتب خارجی میں
 جو بعد کن ہیں خدا ہم میں ہے۔

پہلے ہم تھے وحدت میں (حسرت) اب تو ہم میں وحدت ہے
 وَإِنْ شَاءَ إِلَٰهٌ يُرِيدُ رِزْقًا لَّنَا فَمَوْالِغُذَاءُ كَمَا لَشَاءُ
 غرض کہ اگر حق تعالیٰ ہم کو رزق دینا۔ پیدا کرنا
 چاہتا ہے تو وہ ہماری خواہش کے موافق وہ خود ہمارا رزق
 و قوت ہو جاتا ہے۔

جزو بیست و دوم

مَشِيَّتُهُ إِرَادَتُهُ فَقُولُوا
بِهَا قَدْ شَاءَ مَا فِيهِ الْمَشَالُ

اُس کی مشیت (جو کلیات و اصول سے متعلق ہوتی ہے) وہی ارادہ ہے
(جو جزئیات سے وقت و خلق متعلق ہوتا ہے) تم مشیت الہی کے تحت گفتگو
کرو۔ جس کو اُس نے چاہا۔ وہی ہو کر رہے گا۔

مِثْلُ زِيَادَةٍ وَبِئْسَ نَقْصًا

ارادے میں زیادت و نقصان ہے۔

وَلَيْسَ مَشَاوِئُهُ إِلَّا الْمَشَاءُ

مشیت تو مشیتِ بری ہے۔ اس میں نہ کمی ہے نہ زیادت۔

فَهَذَا الْفَرْقُ بَيْنَهُمَا فَحَقِّقْ
وَمِنْ وَجْهِ فَعَيْنُهَا سَوَاءٌ

مشیت و ارادے میں یہی فرق ہے۔ اُس کو محقق و ثابت جاننا۔
اور ایک وجہ سے دیکھو تو دونوں کی حقیقت اور ذات ایک ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ۖ فَمِنْ لَقْمَانِ كُو

حکمت دی اور فرماتا ہے وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
جس کو حکمت دی گئی اُس کو خیر کثیر دیا گیا۔ اس سے بالنص اور تصریح سے

معلوم ہوا کہ لقمان صاحب خیر کثیر تھے۔ کیونکہ اس پر شہادت الہی وال ہے۔ حکمت کیا ہے حقائق اشیا کا جاننا۔ ہر ایک کا حق اُس کو دینا۔ ہر شے کو

اُس کے محل پر رکھنا ہے۔ حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ قابل بیان، ناقابل بیان یا جس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ قابل بیان جیسے لقمان کا اپنے فرزند کو کہنا

يَا بَنِيَّ إِنَّ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي سُحْرَةٍ
أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِي بِهَا اللَّهُ - يَسْئَلُ - ۱ - اَلْكَرْمُ كَوْنِي چيسز

رائی کے دانے کے برابر وزن میں۔ پھر وہ ہو پتھر کے طبقے میں یا آسمانوں میں یا زمین میں تو اللہ ہی اس کو لانے کا۔ یہ راز حکمت تو صریح مذکور ہے۔

وہ یہ کہ لقمان نے اللہ ہی کو اُس کا لانے والا ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں اُس کو برقرار رکھا۔ اُس کے کہنے والے کے قول کی تردید نہیں

مگر قرینہ حال سے معلوم ہو گئی ہے۔ وہ شخص ہے جس کی طرف وہ دانہ لایا گیا ہے۔
 لقمان نے نہ اس کا ذکر کیا۔ نہ اپنے فرزند سے کہا کہ اللہ اس دانے کو
 تمہاری طرف لایا یا تمہارے غیر کی طرف۔ پس اِثْنَان یعنی لائے کو
 عام چھوڑا۔ اور مُوتَقٰی بہ یعنی اُس شے کو جس کو اللہ تعالیٰ لایا ہے اُس کو
 بھی عام رکھا کہ خواہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں۔ اُس میں اس امر کی طرف
 تنبیہ ہے کہ دیکھنے والا دیکھے۔ قَوْلُهُ تَعَالٰی وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ
 اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ پس لقمان نے تنبیہ کی بعض
 حکمت کو بیان کر کے اور بعض سے سکوت اختیار کر کے کہ حق تعالیٰ ہر معلوم کا
 عین ہے۔ کیونکہ معلوم شے سے بھی عام۔ اور مبہم ترین لفظ ہے۔ پھر لقمان نے
 حکمت کو تمام و کمال طور سے بیان کیا تاکہ اس حکمت میں عالم و نشأت کا
 ذکر پورا ہو۔ انھوں نے کہا اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ بَیْشَک اللّٰهُ لَطِیْفٌ ہے۔ اُس کی
 لطافت اور لطف سے یہ ہے کہ اپنے وجود بالذات دوسروں کے
 وجود بالعرض کی وجہ سے، وہ ہر شے خاص میں جو محدود و معین ہے۔
 اور خاص اسم کا مستحق ہے۔ ان سب میں جلوہ گر بلکہ ان کا عین ہے یہاں تک کہ
 شے خاص کے حق میں نہیں کہا جاتا۔ مگر وہ اسم جو اُس پر دلالت کرے خواہ
 اتفاق اہل لغت سے یا اصطلاح گروہ خاص سے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ
 آسمان ہے۔ زمین ہے۔ پتھر ہے۔ درخت ہے۔ حیوان ہے۔ فرشتہ ہے۔ رزق ہے۔
 کھانا ہے۔ حالانکہ ذات بالذات و موجود حقیقی و عین حقہ ایک ہی ہے ہر شے سے
 وہی ظاہر ہے۔ اور ہر چیز میں اُسی کا جلوہ ہے۔ جیسے اشاعرہ کہتے ہیں کہ عالم جو ہر
 کے لحاظ سے ایک ہی طرح پر ہے پس عالم جو ہر واحد ہے۔ دیکھو یہ تو ہمارا ہی قول ہے کہ
 ذات بالذات ایک ہی ہے۔

پھر اشاعرہ نے کہا کہ عالم باوجود جو ہر واحد ہونے کے اعراض کے
 لحاظ سے مختلف ہے۔ یہ تو ہمارا ہی قول ہے کہ ذات واحدہ حقہ ہی صورت و نسبتوں
 کے اختلاف کی وجہ سے مختلف و متکثر ہے تاکہ میٹڑ ہو جائے۔ پھر کہا جائے کہ
 یہ وہ نہیں ہے۔ باعتبار صورت عرض یا مزاج کے جس طرح چاہو کہو۔ یہ اور وہ

جزبہ دوم

ایک ہی میں۔ باعتبار جوہر و ذات بالذات و حقیقۃ الحقائق کے۔ یہی وجہ تو ہے کہ ذات جوہر صورت و مزاج کی تعریف اور حد میں کی جاتی ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ جوہر اصل سوا حق کے کچھ اور نہیں۔ اور کہنے والا گمان کرتا ہے کہ مسماے جوہر اگرچہ ثابت و حق ہے مگر وہ حق نہیں جس کو اہل کشف و تجلی بیان کرتے ہیں۔ یہ حکمت و راز ہے۔ حق تعالیٰ کے لطیف ہونے کا۔

پھر لقمان نے حق تعالیٰ کی صفت بیان کی خبیر یعنی آرائش کے ساتھ علم رکھتا ہے اور وہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے وَلَنَبَاوَنَکُمْ نَحْنُ اَخْسَرُ الْبَیِّنَاتِ ہم تم کو آزمائیں گے۔ یہاں تک کہ جان لیں گے۔ یہ تو علم ذوقی اور وجدانی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے علم ازلی نفس الامری کے باوجود خود کو استفادہ علم کرتا بیان فرمایا ہے جس بات کو حق تعالیٰ قرآن شریف میں اپنی ذات حقہ کے متعلق فرمائے، ہم تو اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ وہ تو علم ذوقی حادث اور علم مطلق ازلی میں تفریق فرماتا ہے علم ذوقی تو قوائے روحانی و جسمانی سے مقید ہے۔

وہ اپنے متعلق فرماتا ہے کہ وہ عین قوائے عید ہے فرماتا ہے کُنْتُ مَمْعُودٌ میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں۔ سماعت تو بندے کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے و بصیرت اس کی بصارت ہو جاتا ہوں۔ بصارت بھی بندے کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے و لسانہ اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں۔ زبان تو اعضائے عید سے ایک عضو ہے و رجلہ و یدہ اور اس کے ہاتھ پاؤں ہو جاتا ہوں۔ دیکھو صرف قوی ہی کے بیان کرنے پر کفایت نہیں کی بلکہ اعضا کا بھی ذکر فرمایا۔ بندہ ہے کیا۔ یہی اعضا و قویٰ تو ہیں۔ اس کے سوا اور ہے کیا۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اصل و ذات عید عین حق ہے۔ مگر موشیار عبد رب نہیں ہے۔ کیونکہ نسبتوں کے حقائق باہم متمیز ہیں۔ اور ہویت حقہ جس کی طرف سب کی نسبتیں پہنچتی ہیں۔ وہ ان مقیّدات و قیود سے علو رہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان نسبتوں میں سوا حق کی ذات حقہ کے کوئی اور نہیں۔ پس وہ عین واحد ہے۔ جس کی نسبتیں

اور صفتیں ہیں۔ لقمان نے اپنے بیٹے کو جو تعلیم دی تھی، اُس کی تمام حکمت اس آیت میں ان دو اسمائے الہی میں ہے لطیفاً خبیراً اللہ تعالیٰ کو ان دو اسمائے موسوم کیا۔ اگر لقمان اس حکمت و توصیف کو کون و وجود بیان کرتے اور کہتے ہاں اللہ لطیفاً خبیراً تو حکمت میں اتم و بالغ ہوتا لقمان نے جس معنی کو اپنے قول میں ادا کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کو فرمایا۔ کسی قسم کی اُس پر زیادت نہیں کی۔ اگر ان اللہ لطیف خبیراً اللہ تعالیٰ کا قول ہو تو اللہ تعالیٰ نے جب جان لیا کہ لقمان اگر اپنے مقولے کو تمام کرتے تو اسی طرح تمام کرتے۔

لیکن لقمان کا قول ان تک مثقال حَبَّةٍ مِنْ خَزْدَلٍ اگر کوئی چیز مورائی کے دانے بھاری۔ یہ رائی کا دانہ کس کی غذا ہے۔ وہ تو چھوٹی جیوٹی ہے جس کا ذکر قولہ تعالیٰ میں ہے فَمِنْ لَعِلِّ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَاهُ مَنِ لَعِلِّ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ شَايِسُكَ ذَرَّةً كَسْ دُومَنْتِي ہیں۔ (۱) چھوٹی جیوٹی (۲) باریک خاک ریزے جو دھوپ میں اڑتے ہیں۔ شیخ نے ذرے کے معنی جیوٹی کے لیے ہیں۔ پس جو کوئی عمل کرے ذرہ بھر بھلائی اُس کو دیکھے گا۔ اور جو کوئی عمل کرے ذرہ بھر برائی اُس کو دیکھے گا۔ چھوٹی جیوٹی سی کھانے والی ہے اور رائی کا دانہ بھی تھوڑی سی کھانے کی چیز ہے اگر موجودات میں اس سے بھی چھوٹی چیز معلوم ہوتی تو اللہ تعالیٰ بیان کرتا جیسے فرمایا ان اللہ لا یستحییٰ ان یضرب مثلاً ما بعوضۃ فافوقہا اللہ نہیں شرّاً ما کہ مثال بیان کرے مچھر کی چونکہ علم الہی میں ہے کہ مچھر سے زیادہ چھوٹے جانور بھی ہیں تو فرمایا فافوقہا۔ یا اس سے مافوق اس سے زیادہ یعنی چھوٹائی و مغرور خردی میں۔ یہ بھی قول اللہ تعالیٰ کا ہے اور سورہ زلزکہ میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہے اس کو خوب سمجھ رکھو ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جیوٹی کے وزن پر کفایت نہیں کی۔ اور یہ کہ موجودات عالم میں جیوٹی سے بھی زیادہ چھوٹی چیزیں ہیں اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بلاغت سے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم۔

لقمان نے یا بنی کہہ کر ابن کی تصغیر کیوں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تصغیر محبت ہے۔ پیار سے اسی طرح کہتے ہیں۔ اسی لیے لقمان نے اپنے بیٹے کو ایسی نصیحتیں کیں کہ اگر اُن پر عمل کریں تو اس میں اُن کی خوش بختی ہے۔

اُن کے منہیات و ممانعتوں کے اسرار یہ ہیں لا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ بیٹا! اللہ سے شرک نہ کرو۔ بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔ مظلوم کون ہے؟ مرتبہ و مقام الوہیت ہے۔ کیونکہ مرتبہ الوہیت جو ناقابل تقسیم و تکثر تھا۔ شرک سے قابل تقسیم و تکثر ہو جاتا ہے۔ فوات الوہیت

جزدیت پریم

تو ایک ہی ہے۔ شرک کرنا کیا ہے؟ خود الوہیت کو الوہیت کا شریک ماننا ہے۔ یہ تو بڑا جہل ہے۔

شرک کرنے کا سبب کیا ہے؟ ایک شخص جس کو امر و اقویٰ نفس الامری کی معرفت نہیں۔ نہ اُس کو کسی شے کی حقیقت سے واقفیت ہوتی ہے۔ جب ایک ذات میں مختلف صورتوں کو دیکھتا ہے۔ اور اُس کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ یہ سب صورتیں ایک ہی ذات کی ہیں۔ تو ایک صورت کو دوسری صورت کا اس مقام میں شریک جانتا ہے۔ اور ہر صورت کو اُس مقام میں سے ایک جزو دیتا ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ ہر شریک کا جدا جدا حصہ ہے۔ اس تقریر حقیقت میں کوئی کسی کا شریک نہیں۔ کیونکہ ہر شخص خاص کو اس مقام مشترک میں سے اُس کا حصہ ملا ہے۔ اب رہ گیا خاص کا عام کا شریک ہونا مثلاً زید کا انسان کا شریک ہونا۔ وہ بالبداہت جہل ہے۔ غرضکہ شرک کا سبب شرکت غیر معین ہے۔ جیسے ایک گھڑوں بلا تعین حصہ کئی لوگ رہتے ہیں تو ہر ایک کے تصرف سے ابہام باقی نہیں رہتا۔ بہر حال عام کا عام حکم خاص پر نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اَدْعُوا لِلّٰهِ اَوْ اَدْعُوا لِلْحَيٰثِ اَيَّامًا تَدْعُوْنَ اَفَلَا الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی۔ تم اللہ کہہ کر پکارو۔ یا۔ رحمن کہہ کر پکارو۔ اس میں شرکت نہیں جس نام سے پکارو اُس کے لیے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

لے لے کے مختلف نام تجھ کو پکارتے ہیں مگر تم تجوہیں سارے جہان والے خدا کے سوا کسی کو کوئی قوت تصرف نہیں تو شرک بھی نہ رہا۔ یہی تو روح مسئلہ و جان تحقیق ہے۔



محببتنا

فصل الحکم

جزوبیت و چهارم

فصل حکمت امامیه بکلام انوار

۲۸۲

فصل حکمت امامیہ

بکراہیہ



واضح ہو کہ ہارون علیہ السلام کا وجود حضرت رحمت الہی سے تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دَوْهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا خَالًا هَارُونَ نَبِيًّا۔ ہم نے موسیٰ کے لیے اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ لہذا ہارون کی نبوت حضرت رحمت الہی سے تھی۔ ہارون موسیٰ سے عمر میں زیادہ تھے اور موسیٰ ہارون سے نبوت میں بزرگ تر تھے۔ چونکہ ہارون کی نبوت حضرت رحمت الہی سے تھی۔ لہذا انھوں نے اپنے بھائی موسیٰ کو کہا یا اَبْنُ اُمِّ مِیْرٰی ماں کے بیٹے۔ انھوں نے ماں کی نسبت کا ذکر کیا، نہ کہ باپ کی، کیونکہ ماں رحمت و شفقت میں باپ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ماں میں محبت و شفقت زیادہ نہ ہوتی تو اولاد کی پرورش کے کلیفات کو برداشت نہ کرتی۔ پھر ہارون علیہ السلام نے کہا لَا تَاْخُذْ بِالْحَسْبِیْ وَلَا بِاُسْتِی وَلَا تَشْمِیْ بِی الْاَعْدَاءَ نہ میری ڈاڑھی پکڑو نہ میرا عمر۔ اور نہ میرے دشمنوں کو میری امانت سے خوش کرو۔ ہارون کے یہ سب کلمات

جذوبہ چہارم

رحمت کے آثار سے اور اُس کے جھونکوں میں سے جھونکے ہیں۔ موسیٰ کے غضب کا سبب غیرت و حمیت حق ہے۔ اور الواح میں غور و تأمل نہ کرنا ہے۔ اگر موسیٰ ان الواح میں غور و تأمل فرماتے، تو ان میں ہدایت و رحمت پاتے۔ ہدایت کیا تھی۔ اس امر حق کا بیان تھا جس نے موسیٰ کو غضبناک بنا دیا تھا۔ اور مارٹون اس سے بری تھے۔ ان الواح میں بھالی پر رحمت کرنے کا بھی ذکر تھا۔ پھر موسیٰ مارٹون کی ڈارھی نہ پکڑتے۔ وہ بھی قوم کے سامنے باوجودیکہ مارٹون موسیٰ سے بڑے تھے عمر میں زیادہ تھے۔ مارٹون کے یہ کام موسیٰ پر شفقت سے تھے۔ کیونکہ مارٹون کی نبوت مقتضائے رحمت الہی سے تھی پھر مارٹون سے اس کے سوا اور کیا ظاہر و صادر ہوتا۔

پھر مارٹون نے موسیٰ سے کہا اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتُ بَيْنَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مِیْنِ اِسْ بَاتٍ سے ڈرا کہ تم کہو: تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ اور تم مجھ کو اُن کے تفرقے کا سبب ٹھیراؤ۔ حالانکہ گوسالہ پرستی نے ان میں تفرقہ پیدا کیا تھا۔ نہ کہ میں نے۔ بنی اسرائیل میں بعض سامری کی اتباع و تقلید میں گوسالہ پرستی میں مبتلا تھے اور ان میں سے بعض گوسالہ پرستی سے متوقف اور رُکے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ موسیٰ واپس ہوں اور اُن سے گوسالہ پرستی کے متعلق سوال کریں۔ لہذا مارٹون کو خوف ہوا کہ یہ تفرقہ کہیں اُن کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔

موسیٰ یہ نسبت مارٹون کے حقیقت نفس الامر ہی سے زیادہ واقف تھے۔ موسیٰ جانتے تھے کہ گوسالہ پرستوں نے حقیقت میں کس کی پرستش کی ہے۔ (نیز اس میں اُنہوں نے کیا غلطی کی ہے) وہ جانتے تھے کہ اُس کا حکم ازلی ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ خدا جس شے کا حکم دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ لہذا موسیٰ کا عتاب اسے بھائی مارٹون پر اس لیے تھا کہ اُن سے انکار واقع ہوا تھا۔ اور اُن کے قلب میں اتنی وسعت نہ تھی جتنی موسیٰ کے قلب میں تھی۔ کیونکہ عارف کامل تو وہ ہے جو ہر شے میں حق کو دیکھے بلکہ اُس کو ہر شے کا عین دیکھے موسیٰ مارٹون کی علمی تربیت

جذبہ است و جہاں

فرار ہے تھے۔ اگرچہ عمر میں اُن سے چھوٹے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ناز و نین کو جو کچھ کہتا تھا کہہ دیا تو سامری کی طرف مڑے۔ پھر اُسے فرمایا فَاَخْطُبُكَ يَا سَامِرِيُّ اوسامری تیرا کیا حال ہے۔ تو نے یہ کیا کیا ایک خاص صورت گو سالہ کی کیوں اختیار کی۔ ہر قوم کے زیوروں سے یہ کالبد کیوں بنایا۔ اُن کے اموال لے کر اُن کے دل بھی لے لیے۔ عیسیٰ بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں۔ اے بنی اسرائیل! انسان کا دل وہاں رہتا ہے جہاں اُس کا مال رہتا ہے۔ تم مال آسمان میں رکھو تو تمہارا دل بھی آسمان میں رہے گا۔ مال کو مال اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دلوں کا میلان اُسی کی طرف رہتا ہے۔ سب کے دل میں مال پرستی بھری ہوئی ہے۔ لوگوں کے دلوں کا مقصود اعظم مال ہی ہے۔ کیونکہ سب کو اُس کی حاجت ہے۔ (سب لوگ مال کو قاضی الحاجات کافی المهمات۔ ستار العیوب سمجھتے ہیں) صورتوں کو بقا و دوام کب ہے۔ موتی نے جلاد سینے میں جلدی کی۔ ورنہ گو سالہ کی صورت تو جانے والی ہی تھی۔ موتی پر غیرت نے غلبہ کیا۔ اسے جلادیا۔ پھر اُس کی راکھ دریا میں بہا دی۔ اور سامری سے فرمایا اَنْظُرْ اِلَى الْهَيْكَلِ اپنے معبود کو دیکھ۔ تعلیم پر متنبہ کرنے کے لیے آگے فرمایا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بھی جلوہ گاہ الوہیت میں سے ایک جلوہ گاہ ہے لَا حَرْفَ لَہٗ میں اس کو جلادوں گا۔ کیونکہ حیوانیت انسان کو حیوانیت حیوان میں قوت تصرف ہے کیونکہ اللہ نے حیوان کو انسان کا مستخر و تحت تصرف کر دیا ہے۔ خصوصاً جبکہ اُس کی اصل حیوان نہیں ہے بلکہ جمادات ہے۔ تو زیادہ قابل تسخیر و تصرف ہے۔ کیونکہ غیر حیوان کو ارادہ نہیں۔ وہ تو اُس شخص کے تحت تصرف ہے۔ جو صاحب ارادہ و تصرف ہے۔ وہ ہرگز ابا و سر تباہی نہیں کر سکتا۔ حیوان تو صاحب ارادہ و غرض ہوتا ہے۔ کبھی حیوان سر تباہی و انکار بھی کرتا ہے۔ اگر اس میں قوت اظہار انکار ہوتی ہے۔ تو انسان کے ارادے کے خلاف شرارت و سرکشی بھی کرتا ہے۔ اگر قوت اظہار انکار نہ رکھتا ہو۔ یا خود حیوان کی غرض بھی اس سے متعلق ہو تو رام ہو کر اطاعت اختیار کرتا ہے۔ یہی حال

جذوبت غلام

انسان کا بھی ہے کہ اپنے سے اعلیٰ کی اطاعت کرتا ہے جبکہ اُس سے مال لینے کی امید ہوتی ہے۔ جس کو بعض صورتوں میں اجرت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرًا** یا ہم نے بعض کو بعض پر کئی درجے بلند کیا۔ تاکہ بعض بعض کو مزدور و مسخر بنالے۔ محکوم اپنے جیسے سے مسخر ہوتا ہے تو بلحاظ حیوانیت کے مسخر ہوتا ہے نہ کہ بلحاظ انسانیت کے۔ کیونکہ مثلیں تو ضدین ہوتے ہیں۔ جس کا مرتبہ اعلیٰ وارفع ہو، مال میں، جاہ میں، انسانیت کی وجہ سے وہ تسخیر کراہتا ہے۔ حاکم ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا مسخر و رام ہوتا ہے۔ تو خوف یا لالچ کی وجہ سے براہ حیوانیت رام ہوتا ہے نہ کہ انسانیت کی راہ سے۔ پس مثل مثل کا مطیع نہیں ہوتا۔

دیکھو جانوروں میں کیسی لڑائی رہتی ہے کیونکہ برابر والے اور مثل رہتے ہیں اور مشلان، ضدان ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَدَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ** ہم نے تمہارے بعض کے مرتبے بعض سے اعلیٰ وارفع بنائے ہیں۔ پس وہ باہم ہم مرتبہ نہیں ہیں۔ لہذا درجات کی وجہ سے تسخیر و حکومت ہوتی ہے

تسخیر کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تسخیر مراد یعنی (۱) مسخر تسخیر و تصرف کرنے والے کا دوسرے کو اپنے تحت ارادہ کر لینا۔ اگرچہ انسانیت میں بظاہر اپنا مثل ہو۔ جیسے آقا کا اپنے غلام کو مسخر کر لینا۔ اور سلطان کا رعایا کو زیر فرمان کر لینا۔ اگرچہ انسانیت میں مثل ہیں۔ آقا و سلطان کا مسخر کر لینا رفعت درجہ کی وجہ سے ہے۔

(۲) دوسری قسم تسخیر حال ہے۔ جیسے رعایا کا بادشاہ کو جو ان کے امور کا ذمہ دار ہے مسخر کر لینا کہ ان سے مدافعت کرے۔ ان کی حمایت کرے۔ جو ان رعایا سے عداوت کرے ان جنگ کرے۔ ان کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ یہ سب رعایا کی تسخیر حالی ہے۔ گو وہ منہ سے کچھ نہ کہیں۔ اس طرح رعایا بادشاہ کو مسخر کر لیتی ہے۔ غور کر کے دیکھو تو یہ بھی

جزو سبب چہارم

یعنی تسخیر حال بھی، تسخیر مرتبہ ہی ہے۔ رعایا کے مرتبے کا یہی اقتضا ہے اور اس کا یہی حکم ہے۔

بعض بادشاہ خود غرض ہوتے ہیں۔ صرف اپنے لیے کام کرتے ہیں۔ بعض بادشاہ حقیقت امر سے واقف ہوتے ہیں۔ اُن کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہیں اور اُن کی قدر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اتنا اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ جتنا حقیقت شناس علما کو عطا کرتا ہے۔ اُن کا اجر صرف اللہ کے ذمے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام کاروبار کا متکفل ہے۔ عالم بھی حال کی وجہ سے اُس ذات پاک کو اپنے حسب حال کر لیتا اور مسخر کر لیتا ہے۔ جس پر لفظ تسخیر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ نہ کوئی اس کے متعلق یہ لفظ زبان پر لا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُلُّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ بِرِزْوَانٍ اِیْکَ نَیِّ شَانٍ مِیْنِہِ۔ ہارون علیہ السلام نے ہر چند گو سالہ پرستوں کو زبان سے منع فرمایا۔ مگر قہر و غلبہ و فعل سے اس لیے منع نہ کر کے جیسے کہ موٹسی نے کیا۔ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ایک تماشا تھا۔ جو وجود خارجی میں ظاہر ہوا کہ ہر صورت میں گو کہ زایل و باطل ہونے والی تھی۔ عبادت ہو رہی تھی۔ اور پوجنے والے نادانی ہی سے تھے۔ مگر معبود سمجھ کر پوج رہے تھے۔ آخر باقی باقی رہے گا اور فانی فنا ہو کر رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انواع میں سے کوئی نوع ایسی نہ رہی کہ اُس کی پرستش نہ کی گئی ہو۔ خواہ معبود سمجھ کر خواہ حاکم سمجھ کر۔ کوئی سنگ پرست ہے تو کوئی زر پرست ہے۔ کوئی شاہ پرست ہے۔ کوئی خود پرست ہے۔ ہر صاحب عقل غالب پرستی کرتا ہے۔ کسی شے کی پوج یا نہیں کی جاتی جب تک وہ پوجنے والے کے پاس بلب مرتبہ نہ سمجھی جائے۔ اور اُس کے قلب میں اُس شے کا درجہ عالی نہ مان لیا جائے۔ اسی لیے حق تعالیٰ کے اسماء میں سے

برجہ چہم

رفیع الدر جاتہ بھی ہے نہ کہ رفیع الدر جبہ پس ایک ہی ذات کے بہت سے درجاست ہیں۔ اُس نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ ہو۔ وہ بھی مختلف اور کثیر درجات ہیں۔ ہر درجے سے ایک تجلی گاہ الہی پیدا ہوتی ہے۔ جس میں اُس کی پرستش ہوتی ہے۔ عظیم ترین جلوہ گاہ جس میں پرستش ہوتی ہے۔ خواہش و محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
 أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَلَا كَيْفَا تَمْ لَ اُس کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا۔ خواہش بزرگ ترین معبود ہے۔ ہر شے کی اُسی کی وجہ سے پرستش ہوتی ہے۔ اُس کی پرستش بالذات ہے۔ دوسروں کی بالعرض۔ شیخ فرماتے ہیں کہ

وَحَقُّ الْهَوَىٰ أَنْ الْهَوَىٰ سَبَبُ الْهَوَىٰ

قسم ہے محبت کی! محبت کا سبب خود محبت ہے۔

وَلَوْ لَا الْهَوَىٰ فِي الْقَلْبِ مَا عْبَدَ الْهَوَىٰ

دل میں محبت نہ ہوتی تو کوئی محبت کی پرستش نہ کرتا۔

تم دیکھتے ہو اللہ تعالیٰ کا علم اشیا کے متعلق کس قدر کامل و اکمل ہے۔ اُس نے اُس شخص کے متعلق جس نے خواہشات کی پرستش کی اور اُن کو اپنا معبود بنا لیا۔ کیسی پوری بات فرمائی۔ فرماتا ہے وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ رَجَعْتُمْ يَوْمَهُ يَوْمَهُ اللہ نے اُس کو سرگردان و حیران کر دیا۔ ضلالت کے معنی حیرت کے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرماتا ہے کہ اس پرستار نے اپنی خواہش و ہوا اور جذبہ شوق و محبت کی پرستش کی اور اُس کے احکام کا مطیع و منقاد ہو گیا۔ جس شخص کو عبادت و بندگی کا حکم محبت نے دیا وہ قبول کرتا ہی ہے۔ اور اس پر عمل کرتا ہی ہے۔ یہ جذبہ محبت وہ ہے کہ خدا کی

جذبہ

عبادت بھی اسی پر مبنی ہے۔ اگر اُس جناب مقدس کی محبت اور جذبہ شوق اور اُس کا ارادہ نہ ہوتا، تو کوئی نہ اللہ کی عبادت کرتا نہ اُس کو دوسروں پر ترجیح دیتا نہ اُس کو اختیار کرتا۔ اسی طرح جو شخص صُورِ عالم میں سے کسی صورت کی پرستش کرتا ہے اور اُس کو اپنا الہ و معبود مانتا ہے تو اس کا اصل سبب محبت و شوق ہی ہے۔ عابد و پرستار ہمیشہ سلطان ہوا کا تابع رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ پرستاروں اور پوجنے والوں کے معبودات بھی مختلف طرح پر اور نوع بہ نوع کے ہیں۔ ایک کا پوجنے والا دوسرے کے پوجنے والے کی تکفیر کرتا ہے۔ اُس کو خطا کا سمجھتا ہے جو ادنیٰ درجے کی آگاہی رکھتا ہے وہ حیران و سرگردان رہ جاتا ہے۔ کیونکہ جذبہ محبت کو متحد دیکھتا ہے بلکہ ہر جگہ ایک ہی محبت کو پاتا ہے۔ کیونکہ محبت کی حقیقت ہر عابد و پرستار میں ایک ہی ہے۔ جب یہ حالت ہے تو اللہ تعالیٰ عابد کو حیران کر دیتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ہر عابد محبت ہی کی پرستش کرتا ہے اور محبت ہی نے اُس کو اپنا بندہ بنالیا ہے۔ خواہ محبت و عبادت امرِ مشروع کی ہو یا نہ ہو۔ جو عارف کامل مکمل ہوتا ہے۔ وہ ہر شے کو جلوہ گاہ حق جانتا ہے۔ اُنہی جلووں کا سبب ہے کہ نادانوں نے باوجود اسم خاص کے مثلاً پتھر۔ درخت۔ حیوان۔ انسان۔ آگ۔ ستارے۔ فرشتے کو الہ و معبود مانا۔ الوہیت کیا ہے۔ عابد کا تخیل ہے کہ فلاں کے لیے مرتبہ معبودیت ہے۔ حالانکہ وہ حقیقتہً اُس عابد خاص کے سامنے۔ اُس کی نظر کے روبرو جو اپنے معبود خاص کو پکڑا بیٹھا ہے صرف ایک جلوہ گاہ الوہیت ہے۔ نہ حقیقی الہ۔ یہی وجہ تو ہے کہ بعض نادان لوگوں نے مجلی و جلوہ گاہ الوہیت اور خود الوہیت میں تمیز نہ کر کے کہہ دیا مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى۔

جزو سبب و تہا

ہم تو ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو قرب الہی بخشیں۔ ذریعہ قرب بھی کہتے ہیں جو غیر مقصود بالذات ہونے پر دال ہے۔ پھر عبادت بھی کہتے جو آلہ کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ان اصنام کے آلہ ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اَلَاٰلِهَةٌ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا الشَّيْءُ عَجَابٌ۔

کیا ان ہزاروں خداؤں کو ایک ہی خدا کر دیا ہے۔ یہ تو بڑی تعجب خیز اور اچنبے کی بات ہے۔ وہ توحید سے انکار نہ کر سکے۔ بلکہ تعجب میں سرگرداں رہ گئے۔ وہ تو ہزاروں صورتوں کی طرف نسبت الوہیت کر کے کھڑے رہے۔ اڑے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کو ایک معبود کی طرف دعوت دی جس کو سب جانتے ہیں۔ اور کسی کو اس کا شہود نہیں۔ اس پر بین شہادت ہے کہ وہ خود اس کو ثابت و حق جانتے ہیں اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں جو ان کے اس قول سے ظاہر ہے: مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِيَقْرَبُوْنَا اِلٰی اللّٰهِ نَرْاٰی۔ ہم ان بتوں کی عبادت یا پوجا اسی لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو قرب الہی بخشیں۔ پھر وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ صورت پھر ہیں۔ اسی واسطے ان پر حجت قائم کی گئی۔ یہ کہہ کر قل سَتَوْھَم۔ تم پوچھو۔ ذرا ان کے نام تو بتلاؤ۔ نام تو وہی بتلائیں گے جن کو وہ جانتے ہیں، کہ ان کی ایک حقیقت خاص ہے۔

مگر عارفین جو حقیقت نفس الامری و واقعی سے واقف ہیں۔ ان صورت کی عبادت سے انکار ظاہر کریں گے کیونکہ ان کے مرتبہ علم و معرفت اور حکم و وقت کا اقتضا ہے کہ حکم رسول کی تابعداری کریں۔ وہ رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مومنین کہتے ہیں۔ لہذا عرفا تابع وقت رہتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ ان نادانوں نے دراصل الٰہی

جو درست و جامع

صُور و اعیان کی پوجا نہیں کی بلکہ اللہ ہی کی عبادت کی ہے۔ ان بتوں کے ضمن میں۔ اور یہ سلطان تجلی الہی کا تقاضا ہے۔ ان تجلیات کو اصنام میں سے عرفا دیکھتے ہیں۔ اور نادان جس کو تجلیات کا علم نہیں اتکار کرتا ہے۔ بنی و رسول اور اُن کے وارث حال جو عارف کامل ہیں۔ نادانوں سے اس حقیقت کو چھپاتے ہیں۔ وارث بنی ان متعین صور سے جو زوال پذیر ہیں۔ باز رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ رسول زمانہ نے ان باطل اشیا کی پوجا سے روکا ہے۔ رسول کی اتباع محبت الہی کی امید سے ہے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ اِذَا تَعَمَّدَ اللَّهُ مَدًّا لَّيْسَ فِيهَا مِنْ عِلَاقٍ يَوْمَ يُنْفَخُ الْكَوْكَبُ لَنَرَاهُمْ فِيهَا عِجْلًا اِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا۔ اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ رسول اللہ نے ایک آلہ یا معبود کی طرف دعوت دی۔ جو سب کا محتاج الہ اور حاجت روا ہے۔ وہ سب کا معلوم اور سب کا متفق علیہ ہے۔ مگر اُس کی ذات پاک کا شہود میسر نہیں۔ بصارت میں اُس کو ادراک اور احاطہ نہیں کر سکتیں۔ وہ بصارتوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ بڑا ہی لطیف ہے۔ اعیان اشیا میں ساری ہے۔ لہذا ابصار اُس کو ادراک نہیں کر سکتے جس طرح کہ وہ اپنی ارواح کو ادراک نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ارواح اشباح و تن اور صُور ظاہری کے مدبر و منتظم ہیں۔ اللہ ہی لطیف و خیر ہے۔ خیر۔ خبرت سے مشتق ہے۔ خبرت کے معنی ہیں۔ ذوق۔ ذوق تجلی ہے۔ تجلی صور میں ہوتی ہے۔ پس صورتوں کا ہونا بھی ضرور ہے۔ اور تجلی کا ہونا بھی لایم ہے۔ صاحب ہوا کا اُس کو دیکھ کر۔ اس سے متاثر ہو کر پوجا کر بیٹھا بھی ہونے والی ہی بات ہے۔

مترجم کہتا ہے: غیر محدود کو محدود سمجھنا۔ گزشتہ کو

پکڑے بیٹھنا تاز و تجلی کی طرف التفات نہ کرنا۔ ظاہر کو ظاہر کا،
 باطن کو باطن کا، حق نہ دینا۔ متفق علیہ کو چھوڑ کر مختلف فیہ کے لیے
 لڑنا، ظلم ہے۔ کاشش تم اس حقیقت کو سمجھتے۔ سیدھا راستہ
 دکھانا اللہ ہی کا کام ہے۔ اور اسی سے اُس کی امید ہے۔

جزویت جہان



تاجہا

فصوص الحکم

جزوبست و پنجم

فصل حکمت علویہ لکھنؤ موسسہ

۳۹۴

فصل حکمتِ موسیٰ

بکلمہ موسویہ

فرعون کے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے میں کیا حکمت تھی اور کیا راز تھا۔ اس کا راز یہ تھا کہ جو جو لڑکے موتی کے واسطے مارے گئے تھے ان کی زندگی سے موتی کو امداد ملے۔ کیونکہ وہ لڑکے موتی سمجھے جا کر مارے گئے تھے۔ فرعون نے جان بوجھ کر قتل کیا تھا۔ تو ضرور ان سب بچوں کی حیات جو موتی کے لیے مارے گئے تھے حیات موسوی کی طرف عود کرے گی۔ ان معصوم بچوں کی حیات ظاہر تھی۔ فطرت پر تھی۔ اغراض نفسانی نے اس کو ناپاک نہیں کیا تھا بلکہ وہ قالوا لہی کے عہد پر قائم تھے۔ لہذا موتی کیا تھے۔ ان سب مقتولین کی حیات کا مجموعہ تھے جو ان کے دھوکے میں مارے گئے۔ یہ خدائی اختصاں ہے جناب موسیٰ علیہ السلام کے لیے جو ان سے پہلے کسی اور کو نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے سوانح حیات میں بہت سے راز ہیں۔ میں ان میں سے چند کو اس باب میں لکھاؤں گا۔ مگر اتنے ہی جتنے اللہ نے

جزو ثانی

میرے دل میں ڈالے۔ یہ پہلا راز تھا جو اس باب میں مجھ سے کہا گیا۔
 موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو بہت سی رحوں کا مجموعہ تھے۔ ان میں
 قوائے فعالہ و موثرہ جمع ہو گئی تھیں۔ کیونکہ چھوٹوں کا اثر بڑوں پر کچھ نہ کچھ
 ہوتا ہی ہے دیکھو بچہ بالخاصیہ بڑے پر اثر کرتا ہے۔ اُس کو خود داری
 و ریاست پر سے اتار دیتا اور اپنی طرف مائل کر دیتا ہے۔ وہ بچے سے
 کھیلتا ہے اُس کو نچاتا ہے اور بچے کی عقل کے موافق خود بھی بن جاتا ہے۔
 پس بڑا چھوٹے کا مسخر اور زیر تصرف ہو جاتا ہے۔ اور بڑے کو اس کا
 شعور و احساس تک نہیں ہوتا۔ پھر بچہ اپنی تربیت۔ حمایت اور
 خبر گیری میں بڑے کو مشغول کر دیتا ہے۔ اور وہ تنگ و نیاز نہیں ہوتا۔
 یہ چھوٹے کا تصرف ہے بڑے میں، کیونکہ معصوم بچے کا مقام بھی اعلیٰ ہے۔
 کیونکہ بچے کو اللہ کے پاس سے آئے ہوئے تھوڑی مدت ہوتی ہے
 وہ نومولود ہوتا ہے۔ اور بڑے پر زیادہ زمانہ گزرا ہوا ہوتا ہے۔

جو خدا سے قریب تر ہوگا، وہ اُس کو مسخر کر لے گا۔ جو خدا سے بعید ہے
 جیسے بادشاہ کے مصاحبین و ندما، دور والوں کو مطیع و مقہور کر لیتے ہیں۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی۔ پانی برستا تو سر مبارک
 برہنہ فرما کر پانی کے نیچے نکل آتے۔ کہ آپ پر پانی کے قطرے پڑ جائیں۔
 اور فرماتے اس کو پروردگار کے پاس سے آئے تھوڑا زمانہ گزرا ہے۔
 غور کرو۔ اُس رسول پاک کی معرفت باللہ کس قدر بزرگ و برتر ہے۔
 کس درجہ واضح ہے۔ دیکھو۔ مطر نے (بارش) افضل البشر پر بھی اثر کیا۔ کیونکہ
 اُس کو ایک طرح کا قرب رب تھا۔ یہ بارش کیا تھی۔ گویا ایک فرشتہ تھا۔
 جو آپ کے پاس وحی لاتا ہے۔ آپ بھی اُس سے ملنے کے لیے زیرِ سما
 نکل آئے تاکہ پروردگار کے پاس سے جو لایا ہے لے لیں۔ پانی کے
 قطروں کے جسد پاک پر پڑنے میں، اگر کوئی الہی فائدہ نہ ہوتا۔ تو رسول اللہ صلی
 اُس کے لیے صحن میں نکل نہ آتے۔ یہ پانی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک
 مراسلہ ہے۔ ایک پیغام ہے جس سے ہر شے کو حیات بخشا۔ زندہ کرتا ہے۔

جوابت پنجم

اس کو خوب سمجھو۔

موٹی کو تابوت یعنی صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈالنے سے کیا عبرت
کی نصیحت کیا حکمت سمجھی جاسکتی ہے۔ تابوت کیا ہے ناسوت ہے۔
یعنی جسم ہے۔ دریا کیا ہے گویا وہ علم ہے جو اس جسم کے واسطے سے حاصل
ہوتا ہے۔ یہ علم کہاں کہاں سے آتا ہے۔ قوت نظری و فکری سے قوت حسی
سے۔ قوت خیالی سے۔ اگر یہ جسم عنصری نہ ہوتا تو نفس انسانی کو نہ ان قوتوں
نہ اور قوتوں سے علوم ظاہری حاصل ہو سکتے جب نفس ناطقہ انسانی اس جسم ناسوتی میں
آگیا۔ اور نفس جسم میں تصرف اور اس کی تدبیر و انتظام پر مامور ہوا تو یہ قوی
اُس کے آلات بنائے گئے۔ ان قوی کے ذریعے سے نفس اس تابوت تن
کی تدبیر کرتا ہے۔ تدبیر بدن ہی مراد الہی ہے۔ اس تابوت بدن میں
نور سکینہ رب جل و علا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تابوت تن کو دریا کے علم
میں ڈال دیا تاکہ ان قوی کے ذریعے فنون و اقسام علوم کو حاصل کرے اگرچہ
روح مدبر یا دشاہ تن ناسوتی ہے مگر اللہ نے اُس کو معلوم کرا دیا۔ کہ تدبیر بدن
بغیر بدن سے متعلق ہوئے ممکن نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان قوی کو اُس کا
خادم و ملازم بنا دیا۔ وہ قوی کہاں ہیں۔ اس ناسوت و جسم میں جس کو
باب اشارات و حکم میں تابوت سے تعبیر کی گئی ہے۔ واضح ہو کہ شیخ اور
دیگر عرفا کی عادت ہے کہ ہر ایک بات سے جو کسی خاص غرض سے کہی گئی ہو۔
ایک قصے سے جو کسی کام ہو۔ ہر ایک شعر سے جس کے معنی کچھ ہی ہوں۔ ایک
نصیحت لیتے ہیں۔ اور سارے قصے کو اپنے مطلوب پر ڈھال لیتے ہیں۔
اس کو اشارہ اعتبار اور کبھی حکمت بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ
قرآن شریف کی تفسیر تو سیاق و سباق اور لغت و محاورات سے ہوتی ہے۔
اور اشارہ یا اعتبار ہم اپنے مقصد کے مطابق لیتے ہیں۔ لہذا اعتبار کو
تفسیر سمجھنا غلطی ہے اور عبرت لینے والے سے جھگڑنا بیکار ہے۔

یہی حال ہے حق تعالیٰ کے تدبیر عالم کرنے کا۔ عالم کی تدبیر عالم سے یا
اُس کی صورت سے فرماتا ہے۔ بہر حال حق تعالیٰ تدبیر عالم، عالم ہی سے کرتا ہے۔

جزویت و پنجم

جیسے بیٹے کا پیدا ہونا باپ پر موقوف ہے۔ مسببات اسباب پر موقوف نہیں۔
مشروطات شروط پر۔ معلولات علل پر۔ مدلولات دلائل و ادلہ پر۔ موجودات
محققہ و معینہ حقائق پر موقوف ہیں۔ یہ سب چیزیں عالم ہی سے ہیں۔ اور
یہ حق تعالیٰ کی تدبیر و انتظام ہے۔ پس عالم کی تدبیر و انتظام عالم ہی کی چیزوں
سے کیا گیا۔

صورت عالم سے ہماری مراد اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا ہیں۔
جن سے حق تعالیٰ موسوم و متصف ہوتا ہے۔
کوئی اسم اسمائے حسنیٰ سے ہم تک نہیں پہنچا۔ مگر یہ کہ اس کا معنی اور روح
ہم عالم میں پاتے ہیں۔ بہر حال تدبیر عالم صورت عالم یعنی اسماء و صفات الہیہ
سے حق تعالیٰ نے کی۔ یہی وجہ ہے کہ آدم کے حق میں جو جمیع صفات حضرت الہیہ
کی فہرست اور نمونہ ہیں۔ اور اس میں ذات و صفات و افعال ہیں۔ کہا گیا
إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ۔ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔
صورت حق کیا ہے۔ حضرت الہیہ کے سوا کچھ نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس
مختصر شریف یعنی انسان کامل میں جمیع اسمائے الہیہ کو رکھا۔ اور ان حقائق کو بھی
جو اُس کی حقیقت سے خارج اور عالم کبیر میں تفصیل وار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
انسان کامل کو روح عالم بنا دیا۔ اُس کی کمال صورت کی وجہ سے علویات
و سفلیات سب کو اُس کا مستخر بنا دیا۔

جس طرح عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید نہ
کرتی ہو۔ اسی طرح عالم میں کوئی شے نہیں جو حقیقت صورت انسان کی وجہ سے
اُس کی مستخر و طبع نہ ہو۔ فرماتا ہے وَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
بِجَمِيعٍ مِّنْهُ۔ اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کو
اپنی طرف سے تمہارا مستخر کر دیا۔ پس عالم میں جو کچھ ہے وہ سب تحت تنخیر انسان ہے۔
اس بات کو انسان کامل جانتا ہے۔ اور انسان حیوان نہیں جان سکتا۔
بظاہر جناب موسیٰ کو تابوت میں اور تابوت کو دریا میں ڈالنا
ہلاکت کی صورت ہے۔ مگر باطن قتل سے نجات ہے۔ جیسے علم سے نفوس

جزوبت و پنجم

زندہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوْ مِنْ كَانَ مِثْنًا فَاَحْيَيْنَاكَ وَجَعَلْنَا لَكَ
نُورًا يَمْشِي بِكَ فِي النَّاسِ كَمَنْ تَمْثُلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَنْ تَخْرُجَ مِنْهَا۔
کیا جو شخص کہ تمام روئے یعنی جاہل، پھر ہم نے اُس کو زندہ کیا، یعنی علم سے، اور
اُس کے لیے نور یعنی ہدایت عطا کی۔ اُس شخص کی حالت کی مانند ہے جو
تارکیوں میں ہے، یعنی ضلال و گمراہی میں کہ، اُس سے نہ نکلے گا۔ یعنی کبھی
ہدایت نہ پائے گا، کیونکہ امر واقعی کی کوئی انتہا نہیں۔ کوئی غایت نہیں کہ
آدمی وہاں پہنچ کر ٹھہر جائے۔ ہدایت یہی ہے۔ کہ حیرت کی طرف انسان کو
راہ لے۔ وہ جان لے کہ امر مطلوب ہی حیرت ہے۔ اور حیرت، قلق یعنی
اضطراب و حرکت ہے۔ اور حرکت حیات ہے۔ پس نہ سکون ہے نہ
موت ہے۔ اور وجود ہی وجود ہے۔ عدم کا یہاں قدم نہیں۔ ایسا ہی
حال ہے؛ آبِ علم کا جس سے زمین قلب کی حیات و حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے فَاهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ وَانْبَسَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيمٍ۔ پس
زمین حرکت کرتی ہے۔ اور بڑھتی و ابھرتی ہے، آبائے علویٰ اَفْلاک سے
مادر زمین حاملہ ہوتی ہے۔ اور پھولتی پھلتی ہے۔ اور اُگاتی ہے، ہر قسم کے
نفیس و بارونق جوڑے۔ یعنی نہیں جنتی مگر اُس کو جو اُس کے مشابہ ہے۔
یعنی اُس کی طرح طبعی ہے۔ زمین کی زوجیت و شفیعیت ان چیزوں کے
لحاظ سے ہے، جو اُس سے پیدا و ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح وجود حق کو کہ
واحد ہے مگر اُس کو کثرت لاحق ہوئی۔ متعدد اسما پیدا ہوئے کہ یہ چیز ایسی ہے۔
وہ چیز ایسی ہے۔ یہ سب کس کا اقتضا ہے؟ عالم کائنات عالم حق تعالیٰ سے ظاہر ہوا۔
وہ اپنی نشأت و پیدائش کی وجہ سے حقایق اسمائے الہی کو طلب کرتا ہے۔
پس بوجہ عالم اور اسمائے الہیہ کے، جو اُس کے خالق ہیں۔ حق تعالیٰ
کے لیے کل ہونا ثابت ہوا۔ اور وہ بلحاظ اپنی ذات مقدسہ کے، احدیٰ یعنی
شخص معین ہے جیسے ہمیولی کہ اپنی ذات کی وجہ سے ایک ہے مگر ظاہری
صُور کی وجہ سے کثیر ہے۔ ہمیولی بذاتہ اُن صُور کثیرہ کا حامل ہے۔ اسی طرح
حق تعالیٰ باوجود ایک ہونے کے صُور تجلیات کی وجہ سے اُس کو کثرت

جزو بہت پیچیدہ

عارضہ ہوئی۔ پس حق تعالیٰ تعالیٰ کاہ ہے صبور عالم کا، باوجود احدیت کے۔
 فرعون مجسم میں آتی ہے۔ دیکھو یہ تعلیم الہی کس قدر اچھی اور نفیس الامری ہے
 لکراؤ اس کی معرفت و الملاح اسی بندے کو ہوتی ہے جو اللہ کا خاص بندہ ہے۔
 جب آل فرعون نے موسیٰ کو دریا میں درخت کے پاس پایا۔ تو
 فرعون نے اُن کا نام موسیٰ رکھا۔ (موسے کے معنی قبیلہ زبان میں پانی کے ہیں
 اور (مسا) کے معنی قبیلہ زبان میں درخت کے ہیں۔ موسیٰ کو دریا اور
 درخت کے پاس پایا تو اُن کا نام موسیٰ رکھا۔ کیونکہ اُن کا تابوت یعنی صندوق
 دریا میں درخت کے پاس ٹھہرا تھا۔

جب موسیٰ کا تابوت دریا سے نکال لیا گیا۔ تو فرعون نے چاہا کہ
 موسیٰ کو قتل کر دے تو اس سے اُس کی بیوی آسیہ نے کہا۔ شیخ کہتے ہیں آسیہ
 یہ کرنا الہامی تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو کھال کے لیے پیدا کیا تھا۔
 محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آسیہ و مریم بنت عمران
 کے متعلق اس کمال کی شہادت دیتے ہیں۔ جو مردوں کو دیا جاتا ہے۔ آسیہ نے
 فرعون سے موسیٰ کے حق میں کہا کہ یہ بچہ یعنی موسیٰ میری اور میری آنکھوں کی
 ٹھنڈک ہے۔ موسیٰ کا آسیہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہونا تو ظاہر ہے کہ موسیٰ سے
 آسیہ کو ایمان اور مردوں کا کمال دیا گیا، جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔ اور فرعون
 کی آنکھوں کی ٹھنڈک اس وجہ سے کہ شیخ کے خیال میں فرعون ڈوبتے ڈوبتے
 ایمان سے مرا ہے، پاک صاف مرا ہے۔ اُس میں مرتے وقت کچھ خیانت
 باقی رہی نہ تھی۔ کیونکہ وہ ایمان سے مرا ہے۔ ایمان لا کر اُس نے کوئی گناہ
 نہیں کیا۔ کیونکہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔ اللہ نے فرعون کو
 اپنی رحمت کی ایک نشانی و دلیل بنا دی ہے کہ کوئی بندہ رحمت الہی سے
 مایوس نہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے قوم کفار بھی مایوس ہوتی ہے۔ اگر فرعون
 حالت یاس میں ہوتا تو ایمان لانے میں جلدی اور مبارزت نہ کرتا۔ لہذا موسیٰ
 ایسے ہی تھے جیسے اُن کے متعلق آسیہ زوجہ فرعون نے کہا تھا کہ موسیٰ (میرے)
 اور میرے (فرعون) کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے مست قتل کرو۔ شاید کہ

جہت پانچم

ہم کو نفع دے۔

شیخ کہتے ہیں اور ہوا بھی ایسا ہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کو نفع دیا۔ اگرچہ اُن کو معلوم نہ ہوا۔ یہ وہی بنی ہے جس کے ہاتھ پر ملک فرعون اور ملکیں وغیرہ کی تباہی ہوگی۔

مترجم کہتا ہے: یہ وہ معرکہ آرا مقام ہے کہ اُس کی تائید و تردید میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ شیخ کی تکفیر تک کی گئی ہے۔ حضرت عبدالوہاب شمرانی کہتے ہیں کہ میں نے خود شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب فصوص دیکھی۔ اُس میں نجات فرعون کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ شیخ کے نجات فرعون پر استدلال اسے تو آپ نے دیکھ لیا۔ عدم اسلام فرعون کے چند دلائل بھی سن لیجئے۔

يَقْدُرُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَلِئْسَ الْوَارِدِ الْمَوْدُودُ وَاتَّبِعُوا فِي هُلَاةِ اللَّحْظَةِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْسَ الرِّقْدِ الْمَقْدُودِ آگے ہو گا فرعون اپنی قوم کے قیامت کے دن پہنچائے گا اُن کو دوزخ پر اور بڑا گھاٹ ہے دوزخ جس پر پہنچے۔ اور نیچے سے ملتی رہی اس جہاں میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برابر ہے جو اُن کو ملا۔ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَئَهُ نَارِيَّةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوهُمُ عَلَىٰ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَذُوقُوا الْعَذَابَ الْآلِئِمُ۔ قَالَ قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتَكُمْ۔ اور کہا موسیٰ نے: کہا اے رب ہمارے! تو نے دی ہے فرعون کو اور اُس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں۔ اے رب تاکہ بھٹکادیں تیری راہ سے۔ اے رب مٹا دے اُن کے مال اور سخت کر اُن کے دل کو کہ نہ ایمان لائیں جب تک کہ دیکھیں دکھ کی مار۔ فرمایا قبول ہو چکی دعا تمہاری۔ اَللّٰهُمَّ قَدْ عَصَيْتَ مِنِّي قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ۔ اب خدا کا اقرار کرتا ہے اور توبے حکم رہا پہلے اور رہا بگاڑنے والوں میں۔

جزیبہ پنجم

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے شر سے بچایا۔
 فَاصْبِرْ قُوَّةَ اُمِّ مُوسٰی فَاِذَا رَیْتَ سُلٰتِلَیْنِیْ فَاِیْتِیْ اَسْفَلَ
 ہم و غم سے کہ اُن کو پہنچا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر دایوں کے دودھ کو
 حرام کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی ماں کے سینے کی طرف
 توجہ کی۔ پھر اُن کی ماں نے اُن کو دودھ پلایا۔ اور اللہ نے اُن کی ماں کی
 خوشی پوری کی۔

ایسا ہی علم شرایع کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
 شِرْعَةً وَ مِثْرًا جَاہِم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے عام و خاص راستہ
 مقرر کیا۔ یہ چھوٹا راستہ اصل اور بڑے راستے ہی سے نکلتا ہے۔ اصل ہی
 سے فرع کو غذا ملتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اصل یعنی اپنی ماں سے
 غذا ملی۔ جس طرح درخت کی ڈالیوں کو جڑ سے غذا ملتی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ
 ایک شے ایک شریعت میں حرام ہوتی ہے اور دوسری شریعت میں
 حلال ہوتی ہے۔ یہ بھی ظاہری صورت کے لحاظ سے ہے یعنی کسی چیز کا
 حلال ہونا، نفس الامر میں تو حال کی چیز اور ماضی کی چیز ایک نہیں ہوتی۔ کیونکہ
 واقعے کے لحاظ سے تو ایک نیا ہی حکم اور نئی ہی پیدایش ہے۔ خلق کیا ہے؟
 تجلی جدید ہے۔ تجد و امثال ہے۔ اور تجلی میں تو تکرار نہیں ہوتی۔ اسی
 وجہ سے ہم نے تم کو متنبہ کیا۔ اسی بات کو تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام
 کے حق میں حکم مراعن یعنی دایوں کے دودھ کے موسیٰ پر حرام کرنے سے
 کتایہ فرمایا۔ یہی پوچھو تو حقیقت میں ماں وہی ہے جس نے دودھ پلایا وہ
 جس نے جنا۔ کیونکہ جننے والی ماں تو امانت کے طور پر حاملہ رہی بچہ اُس کے
 پیٹ سے پیدا ہوا۔ اُس کے خون حیض سے غذا حاصل کی۔ یہ سب اُس کے
 بغیر ارادے کے تھا۔ تاکہ ماں کا بچے پر غیر معمولی احسان و اقتان نہ ہو۔
 کیونکہ اُس نے اُس خون کو غذا کیا ہے۔ اگر اُس خون کو غذا نہ کرتا اور
 وہ خون نہ نکلتا تو ماں ہلاکت میں پڑ جاتی یا بیمار ہو جاتی۔ اس لحاظ سے تو
 کچھ بچے ہی کا احسان ماں پر ہے کیونکہ اُس نے اس خون کو اپنی غذا بنالی۔

جذبت پنجم

اور ماں کو اس ضرر سے بچا لیا۔ اگر یہ خون رُک جاتا اور نہ نکلتا۔ اور سچی اُس کو اپنی غذا نہ بنالیتا تو ماں کو ضرر پہنچ جاتا۔ دودھ پلانے والی دائی کا یہ حال نہیں ہے۔ اُس نے تو دودھ پلا کر اُس کی حیات و بقا کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے کا کام بھی ماں ہی سے لیا تاکہ موٹی علیہ السلام پر اُن کی ماں کے سوا کسی اور عورت کا احسان نہ ہو لِتَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ۔ تاکہ مادر موٹی کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں۔ موٹی کو پالیں یہ ورثہ کس۔ اُن کو اپنی گود میں نشوونما پاتے دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی تابوت سے موٹی کو نجات دی۔ پھر موٹی کے حجابِ تلکمتِ طبیعت کو پھاڑ دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو علم الہی عطا فرمایا تھا۔ اگرچہ طبیعت سے پورے پورے طور پر نہ نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا بہت سی جگہ امتحان لیا تاکہ ابتلاآت و مصائب میں اُن کا صبر و تحمل ثابت ہو جائے۔

پہلا ابتلا موٹی کا قبیلے کو قتل کرنا ہے۔ یہ قبیلے قوم فرعون سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موٹی کو ان کے باطن میں اُس کی توفیق دی۔ اس کا الہام کیا۔ اگرچہ ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ الہام ہے۔ مگر انھوں نے اپنے دل میں اس قتل کی پروا نہ کی یا جو دیکھ اُنھوں نے وحی آنے تک تاخیر نہیں کی۔ کیونکہ بنی معصوم دل کا ہوتا ہے۔ گو کہ اس کا انھیں شعور نہیں رہتا یہاں تک کہ وہ بنی ہوجبائیں اور اُن کی عصمت کی اُنھیں خبر ہو۔

اسی واسطے موٹی کو خضر نے ایک لڑکا کو قتل کر کے دکھایا اور موٹی نے اُن پر اعتراض کیا۔ اور خود موٹی نے قبیلے کو قتل کیا تھا۔ اُس کو بھول گئے۔ اس پر خضر نے موٹی سے کہا مَا فَعَلْتَ عَنْ أَمْرِی میں نے اس قتل کو خود سے نہیں کیا۔ وہ موٹی کو اُن کے قبل نبوت مرتبہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یوسفی نفس الامر میں معصوم الحریکہ تھے۔ اگرچہ اُن کو اس کا علم نہ تھا۔ اور خضر نے اُن کو کشتی توڑ کر بھی بتلادیا کہ بظاہر میں کشتی کا نقصان تھا اور باطن اس میں غاصب کے ہاتھ سے اُس کو

چودہویں

بچانا تھا۔ خضر نے اُس کو تابوت موسیٰ کے مقابل کیا جس پر وہ یا چو طرف سے
نوجیزن تھا۔ اس میں بھی بظاہر ہلاکت اور بیاہن نجات تھی جیسا کہ موسیٰ نے
اس خوف سے کیا تھا کہ کہیں غاصب فرعون کا موسیٰ پر دسترس نہ ہو۔ اور اُن کو
پکڑ کر ذبح نہ کر ڈالے۔ اور ماں کھڑی دیکھتی رہ جائے۔ مادر موسیٰ کا دریا میں
تابوت موسیٰ کو ڈال دینا الہام خداوندی سے تھا۔ اور اُن کو اُس کی فہم تک
نہ تھی۔ اُن کے دل میں آگیا تھا کہ وہ موسیٰ کو نہ درود دے پائیں گی پھر غیب
موسیٰ کے متعلق خوف ہوا تو اُن کو دریا میں ڈال دیا کیونکہ مشہور مثل ہے۔
نہ آنکھ دیکھے نہ دل کو درد ہو۔ اُن کو ایسا خوف و غم نہ ہوا جیسا کہ قتل موسیٰ
آنکھوں کے سامنے ہوتا تو ہوتا۔ اُن کو اس کا گمان غالب پیدا ہو گیا تھا کہ
شاید اُن کے حسن ظن کی وجہ سے رحمت الہی سے اللہ موسیٰ کو اُن کی طرف
واپس لائے۔ وہ اس دلی حسن ظن پر جی رہی تھیں۔ اُن کی امید خوف و یاس
سے مقابلہ کر رہی تھی۔ جب اس کا الہام ہوا تو اپنے جہاں میں کہنے لگی کہ
شاید یہ وہی رسول ہو جس کے ہاتھ پر فرعون اور قبطیوں کی ہلاکت ہو اس
گمان پر وہ جیتی اور خوش رہیں۔ اُن کا ایسا گمان نفس الامری اور اللہ تعالیٰ کے پائل
محقق تھا۔

پھر جب موسیٰ پر مقدمہ قصاص قبلی میں وارنٹ چھوڑا اور حکماً گرفتار
جاری ہوا تو وہ بظاہر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حقیقتہً ان کا چل دینا حب نجات
پر مبنی تھا۔ کیونکہ حرکت ہمیشہ مبنی بر حب رہتی ہے۔ دیکھنے والے دوسرے
اسباب کی طرف نسبت کر کے محبوب رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ واقع میں نیا
نہیں ہے۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ عالم کی حرکت عدم سے جس میں وہ ساکن تھا
وجود کی طرف ہوتی ہے۔ یعنی علم الہی سے عالم شہادت کی طرف ہوتی ہے۔
اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا سکون سے حرکت کرنے پر مبنی ہے۔ حرکت
جو سبب وجود عالم ہے۔ حق تعالیٰ کی حرکت جہتی ہے۔

اسی حرکت جہتی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی سے
اس طرح آگاہی بخشی ہے کہ کُنْ كُنْزًا خَفِيًّا فَأَخْبَيْتَ إِنْ أَعْرَفْتَ فَخَلَقْتَ خَلْقًا

جزو سبب پنجم

میں ایک گنج مخفی تھا مجھے کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ تریں نے چاہا کہ پہچان جاؤں۔ لہذا میں نے خلق کو پیدا کیا۔ دیکھو اگر یہ محبت نہ ہوتی تو عالم وجود خارجی میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ پس عالم کو حرکت ہے، عدم سے وجود کی طرف۔ حرکت موجود ہے ایجاد عالم کے لیے۔ نیز عالم بھی خود کو وجود خارجی میں نمایاں ہونے کو دوست رکھتا ہے۔ جس طرح ثبوت علمی میں نمایاں تھا۔ غرض کہ ہر وجہ سے عالم کی حرکت عدم ثبوتی سے وجود خارجی کی طرف جتی ہے۔ خواہ جانب حق سے۔ خواہ جانب عالم سے۔ کیونکہ کمال بذاتہ محبوب ہے۔ یہاں کمالات الہی سے مراد کمالات صفاتی و افعالی ہیں۔ اور حق تعالیٰ کا اپنی ذات مقدسہ کو جاننا۔ یعنی علم ذاتی کے لحاظ سے وہ غنی عن العالمین، یعنی تمام عوالم سے بے نیاز ہے اور یہ علم خاصہ خداوندی ہے۔ علم ذاتی و فعلی جو اشیا کے پیدا ہونے کے پہلے تھا۔ وہ تو قدیم و ازل ہی ہے۔ پھر کونسا علم ہے جو باقی رہ گیا ہے۔ علم الفعالی حادث، جو اشیا کے خارج میں حادث ہونے سے حادث ہوتا ہے۔ پس صورت کمال، علم حادث و قدیم سے ظاہر ہوتی ہے۔ پس مرتبہ علمی کا کمال حدوث و قدم دونوں راہ سے ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مراتب وجود حق کی بھی تکمیل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وجود کی دو قسمیں ہیں ازلی و غیر ازلی حادث۔ وجود ازلی تو وجود بالذات حق تعالیٰ کا ہے اور غیر ازلی وجود حق ہے۔ مگر صور عالم میں جو علم میں تھے۔ اس وجود خارجی و شہودی کو حدوث کہتے ہیں۔ کیونکہ اس وجود بالعرض و حادث میں۔ بعض حادث۔ بعض حادث کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ خود اپنے سامنے صور عالم میں ظاہر ہوا۔ اب وجود کمال ہو گیا۔ اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ حرکت عالم، تحصیل کمال کے لیے، حرکت جتی ہے۔ اس کو خوب سمجھو۔

دیکھو اسمائے الہیہ اپنے آثار کا ظہور ذات و عین عالم میں نہ دیکھ کر کیسے بقرار تھے پھر ظہور آثار کے بعد کیسی راحت ہوئی۔ غرض کہ اس کو راحت محبوب و مطلوب تھی۔ یہ راحت کب ملے۔ جب اعلیٰ و اسفل کی

جزویت پر

صورقوں کو وجود خارجی ملا۔ پس ثابت ہو گیا کہ حرکت لوازم حب سے ہے۔ پس عالم میں کوئی حرکت نہیں مگر وہ محبت پر مبنی ہے۔ بعض علما اس مسئلہ کو جانتے ہیں۔ اور بعض سبب قریب کی وجہ سے محبوب و ناواقف رہ جاتے ہیں کیونکہ سبب قریب کا حکم ظاہر رہتا ہے۔ اور نفس انسانی پر اس کا غلبہ رہتا ہے۔ کیونکہ دنیا ظاہر پرست ہے۔

موشی کو قتل قبلی کی وجہ سے خوف ظاہر تھا۔ مگر یہ خوف۔۔۔ بھی قصاص قتل قبلی سے حب نجات پر متضمن و مشتمل تھا۔ پس خوف واقع ہوا تو بھاگے۔ مگر حقیقت میں نجات کو محبوب جانا۔ کس سے۔ فرعون سے، اور اس کے عمل سے، موشی نے سبب قریب یعنی خوف قصاص کو جو فی الحقیقت ظاہر و مشہود ہو رہا تھا بیان فرمایا۔ خوف آدمی کے لیے بمنزلہ صورت جسمی کے تھا۔ اور حب نجات بمنزلہ روح مدبر بدن کے۔ انبیاء علیہم السلام بالکل ظاہری زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ ان کا خطاب عام فہم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کو سامع عالم کی سمجھ اور فہم پر اعتماد رہتا ہے کہ وہ تو حقیقت مسئلہ سے واقف ہو ہی جائے گا۔ رسولوں کو عامۃ الناس کا بڑا لحاظ رہتا ہے کیونکہ وہ اہل فہم کے مرتبے کو جانتے ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مرتبہ خاص پر عطایا میں متنبہ فرمایا۔ حضرت مال تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک نو مسلم کو مال دیا۔ اور ایک مضبوط ایمان والے نیک آدمی کو نہ دیا۔ سعد بن وقاص نے اس نیک آدمی کی سفارش کی تو حضرت نے فرمایا۔ میں ایک آدمی کو دیتا ہوں۔ حالانکہ اس کے سوا دوسرا آدمی مجھے اس سے عزیز تر ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ مرتد نہ ہو جائے اور اس کو اللہ دوزخ میں نہ ڈال دے۔ دیکھو حضرت نے ضعیف العقل ضعیف النظر و الفکر کی رعایت کی۔ کیونکہ اس میں طمع اور کدورت طبعی غالب تھی۔

عطایائے مالی میں جس طرح عامۃ الناس کا لحاظ کیا گیا اسی طرح عطایائے علمی میں عامۃ الناس کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ بیان عام فہم مگر جو امع الکلم رہتا ہے۔ عرفا اس کے مغز سخن کو پہنچتے ہیں۔ اور مٹا ہر میں

جزویت پنجم

ظاہر سے خوش ہوتے ہیں۔ عظیم الشان معنی پر عام فہمی کا خوبصورت خلعت پہناتے ہیں کہ کم فہم وہیں ٹھیر جائے اور کہنے لگے۔ کیا اچھا خلعت ہے۔ غریب سمجھتا ہے کہ یہ معمولی عام فہم الفاظ نہایت بلند مرتبے میں ہیں صاحب فہم دقیق جو حکمت کے موتیوں کو غوطہ مار کر نکالتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے۔ دل میں کہتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ نے اُس کو خلعت دیا تو کیوں۔ پھر غور کرتا ہے کہ یہ خلعت کس قیمت کا ہے اور اس کا کپڑا کس قسم کا ہے۔ اس خلعت کی حیثیت سے اس شخص کی حیثیت کا اندازہ لگاتا ہے جس کو خلعت دیا گیا ہے اُس کو ایسے حقایق کا انکشاف ہوتا ہے جو نادانوں کو نہیں ہو سکتا۔

انبیاء و رسل اور اُن کے جانشین حضرات نے جب یہ دیکھا کہ دنیا میں اور اُن کی امت میں اس قسم کے نادان و کم فہم لوگ بھی ہیں تو اپنے بیان میں زبان ظاہر اور عام فہم کو اختیار کیا۔ جس میں عام و خاص سب شریک ہیں۔ خاص افراد وہ سب سمجھتے ہیں جو عامۃ الناس سمجھتے ہیں اور اس سے زیادہ بھی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ تو ہے کہ عامۃ الناس سے امتیاز اور اسم خاص رکھتے ہیں۔ علوم کی تبلیغ کرنے والوں نے زبان ظاہر پر اکتفا کیا۔ یہ حکمت تھی موسیٰ کے اس فرمانے کی فَفَرَزْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ۔ میں تم سے بھاگا۔ جب تم سے ڈرا۔ آپ نے یہ نہ فرمایا۔ میں تمہارے پاس سے حب سلا متی دعا فیت کی وجہ سے بھاگا۔

موسیٰ علیہ السلام شہر مدائن میں پہنچے جہاں شعیب رہتے تھے۔ اُن کی دو صاحبزادیاں پنگھٹ پر پانی بھرنے آئیں۔ آپ نے بغیر اجرت کے اُن کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ پھر زیر سایہ الہی جو درخت کی صورت میں نمایاں تھا واپس جا بیٹھے۔ اور دعا کی رَبِّ اِنِّیْ لَمَّا اَنْزَلْتَ اِلَیْ مِنْ خَیْرِ فَقَبِلُوْا۔ میرے پروردگار!۔ تو نے مجھ پر جو خیر اور بھلائی اتاری ہے۔ میں اُس کا محتاج ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ۔ بے اجرت کے پانی پلانے کو وہ خیر سمجھا جس کو اللہ نے اُن پر اتارا۔ موسیٰ نے خود کو محتاج فقیر ظاہر کیا۔ اس خیر کی طرف جو عند اللہ ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے

جودیت پنجم

بغیر اجرت کے دیوار کھڑی کر دی اور اپنا بھی ایک کام بغیر اجرت کے دکھا دیا۔
 تو موسیٰ نے اُس پر خضر کو معتبوب کیا اور ناخوشی ظاہر کی۔ تو خضر نے ان سے
 بغیر اجرت کے پانی پلا دینے کا خود ان کا واقعہ یاد دلایا۔ اس کے سوا اور بہت سی
 باتیں ہیں جن کا ذکر کیا گیا۔ اس قصے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمنا کی کہ
 کاش موسیٰ سکوت اختیار کرتے، اور اعتراض نہ کرتے، تاکہ اللہ تعالیٰ
 موسیٰ و خضر دونوں کا پورا قصہ بیان فرماتا۔ اور حضرت کو بھی معلوم ہو جاتا کہ
 اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو باوجود نادانستگی کے، کن کن نیک کاموں کا الہام فرمایا۔
 اور ان سے واقف کرا دیا تھا۔ کیونکہ اگر موسیٰ واقف ہوتے تو ان کاموں پر
 خضر پر اعتراض نہ کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے پاس خضر کے اچھے
 ہونے کی شہادت دی تھی اُن کا تزکیہ و تعدیل کی تھی۔

اور باوجود اس کے موسیٰ کو خیال نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ کے تزکیہ خضر کا
 اور اتباع خضر کی شرط کا، کہ جب تک وہ بیان نہ کریں، سوال نہ کریں۔ یہ بھی
 ہم پر اللہ کی رحمت ہے جب کہ امر الہی کو بھول جائیں۔

اگر سچ پوچھیے غفلت نشان شان رحمت ہے

موسیٰ کو اس کا علم رہتا تو خضر ان سے نہ کہتے مَا لَوْ تَحِطُ بِهِ خُبْرًا۔
 وہ چیز جس کا تم کو احاطہ و علم نہیں۔ میں ایک علم پر ہوں جس کا ذوق تم کو
 نہیں۔ جیسے کہ تم ایک علم پر ہو کہ جس کو میں نہیں جانتا۔ یعنی تم کو کلیات کا
 علم ہے اور مجھ کو خاص خاص جزئیات کا۔ اس جواب میں خضر نے
 انصاف سے کام لیا۔

اس امر کی حکمت کیونٹی نے خضر کو کیوں چھوڑا یہ ہے کہ رسول کے
 حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ
 عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ تم کو رسول جو کچھ دے اُس کو لے لو۔ اور جس چیز سے منع کرے
 اُس سے باز رہو۔ خدا شناس علما جو قدر رسالت و رسول جانتے ہیں اللہ تعالیٰ
 کے اس فرمان کے سامنے ٹھیر جاتے ہیں خضر کو معلوم تھا کہ موسیٰ اللہ کے
 رسول ہیں۔ وہ منتظر رہے کہ موسیٰ سے کیا صادر ہوتا ہے۔ تاکہ خضر حضرت موسیٰ کا

جبریت پنجم

حق ادب ادا کروں۔ تو موسیٰ نے خضر سے فرمایا اِنَّ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا فَلَا تُصَاحِبْنِي۔ اس کے بعد اگر میں تم سے کسی شے کے متعلق سوال کروں تو پھر تم مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ پس موسیٰ نے خضر کو اپنے ساتھ رکھنے سے منع کیا۔ جب موسیٰ نے تیسری دفعہ بھی سوال کیا۔ تو خضر نے اُن سے کہا هَذَا اِفْرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ يَا جَدَائِي۔ میرے اور آپ کے درمیان۔ موسیٰ نے بھی اس پر ایسا نہ کرو۔ نہ فرمایا۔ اور نہ اُن کی صحبت میں رہنا چاہا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنا مرتبہ معلوم تھا جس نے خضر کو اپنے ساتھ رکھنے سے منع کیا۔ موسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ اور دونوں میں جدائی ہو گئی۔ ذرا ان دونوں عالم شخصوں کے کمال کو دیکھو۔ اور احکام الہی کا حق ادب ادا کرنے کو دیکھو۔ اور خضر کے انصاف پر ستانہ اعتراف کو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دیکھو۔ کیونکہ انھوں نے کہا۔ میں ایک جدا علم پر ہوں کہ اللہ نے مجھ کو سکھایا ہے اور آپ اُس کو نہیں جانتے اور آپ ایک جدا علم پر ہو۔ کہ اللہ نے آپ کو سکھایا۔ اور میں اُس کو نہیں جانتا۔ خضر کا موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنا گویا دوا تھی اُس زخم کی جو اُن کے اس قول سے پیدا ہوا تھا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔ اور آپ کیونکر صبر کر سکیں گے اُس چیز پر جس کا آپ کو علم نہیں۔ باوجودیکہ خضر کو مرتبہ رسالت کا علم تھا جو خضر کو حاصل نہ تھا۔

یہی بات امت محمدیہ میں اس طرح ظاہر ہوئی۔ جب نز کا پھول مادہ درخت خراب پر نہ ڈالا گیا۔ اور لوگ اعجاز محمدی کا انتظار نہ کر سکے۔ اور کھجوریں کم لگیں۔ تو لوگوں نے شکایت کی اور صبر نہ کر سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ لوگ اگر صبر کرتے تو نز کا پھول مادہ پر ڈالنے کا طریقہ ہی اُلھ جاتا اور پھل خوب لگتے اور لوگ اعجاز محمدی اور آپ کے عالم پر پورے تصرف کو دیکھتے۔ رسول اللہ صلعم نے اصحاب سے فرمایا۔ تم دنیا کے کام خوب جانتے ہو۔ یعنی اسباب کے استعمال کو بیشک یہ بات مسلم ہے کہ علم شے بہ از جہل شے۔ یہ علم ہی تو ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جس سے خود کی مدح کی ہے اِنَّہٗ بِکُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

جزء بہت چم

ناچار حقیقت حال کے جاننے والے خواص و افعال بیان کریں گے جو رسم ہوگی۔ موسیٰ کے ایسے جواب دینے پر کہے گا کہ موسیٰ کا جواب میرے سوال کے مطابق نہیں ہے۔ جہاں حضار دربار اپنی کم فہمی کی وجہ سے سمجھے کہ فرعون موسیٰ سے زیادہ عالم ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ کے جواب میں رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اَنْتَ لَنْتَقِمَ مَوْتِنِي کہا۔ جو بظاہر سوال کا جواب ہے۔ فرعون کو معلوم تھا کہ یہی جواب دیا جائے گا۔ مگر اپنے درباریوں سے کہہ دیا اِنَّ رَسُوْلَكَوَالَّذِيْ اَرْسَلَ اِلَيْكَوَلِلْجَنُوْنِ۔ بیشک یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا مجنون ہے۔ میرے سوال کا جواب تک دینا نہیں جانتا۔ کیونکہ اصل جواب تو مقصود نہیں۔ ممکن ہی نہیں۔

سوال صحیح ہے کیونکہ ماہیت سے سوال کرنا مطلوب کی حقیقت سے سوال کرتا ہے۔ اور وہ حقیقت اپنے غیر سے ممتاز ہے جن لوگوں نے حد و کو جنس و فصل سے مرکب مانا ہے۔ اُس جگہ ہے۔ جہاں کوئی مشترک چیز نکلتی ہے جو شے بسیط ہے جس کی جنس نہیں ہے۔ اُس کی فصل بھی نہیں۔ مابہ الاشتراک نہیں تو مابہ الاتیاز بھی نہیں پس اس سوال کا اہل حق اور صاحب علم صحیح و عقل سلیم کے پاس جواب وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیا یعنی جب حد ممکن نہ ہو تو رسم سے جواب دیں گے حقیقت ناقابل ادراک۔ ناقابل بیان ہو تو اُس کے افعال سے و آثار سے اُس کو ماننا پڑے گا۔

یہاں ایک بڑا راز ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تو مفعول پر اثر فعل بتا دیا۔ اُس شخص کے مقابل جو حد ذاتی سے سوال کرتا ہے۔ پس حد ذاتی نے بظاہر صورت عالم کی طرف اضافت بتلا دی یا وہ ذات بتلا دی جس سے صورت عالم ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا موسیٰ نے فرعون کے سوال کے جواب میں یعنی وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ کے جواب میں رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

جزویت پنجم

کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ رب العالمین جس میں صور عالمین - علوی جیسے آسمان اور سفلی جیسے زمین - اور جو آسمان و زمین کے درمیان ہے ان کثرت موقنین - اگر تم کو یقین ہے، یا رب العالمین وہ ہے جو ان سب میں ظاہر ہے -

جب فرعون نے اپنے ہم نشینوں سے کہہ دیا اِنَّهُ لَیَحْضُونُ - یہ موسیٰ تو دیوانہ ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پیشتر مجنون ہونے کے معنی میں کہا - موسیٰ نے اور تو ضیح کی تاکہ فرعون ان کے علم الہی کے مرتبے کو جانے - شیخ کہتے ہیں کہ فرعون اُن سب باتوں کو جانتا تھا - موسیٰ نے فرما یا رب المشرق والمغرب مشرق و مغرب کا رب ہے - اس میں اعتبار یہ ہے - جو ظاہر ہے اور جو پوشیدہ ہے - یعنی ظاہر و باطن سب کی اصل وہی ہے - اور جو درمیانی حالت میں ہے اُس کی بھی اصل اور اُس کا قیوم وہی ہے وہو بکل شیء علیم وہ سب کچھ جانتا ہے اگر تم کو کچھ عقل ہے، یعنی اصحاب تقید و تحسین ہو کیونکہ عقل کے معنی ہی ہیں قید کرنا اور اونٹ کا پاؤں باندھنا -

پہلا اہل تعین کا جواب ہے - اور وہ اہل کشف و وجود ہیں - اُن کے لیے کہا ان کثرت موقنین یعنی اگر تم اہل کشف و وجود ہو تو میں نے وہ بات کہہ دی جس کا تم کو اپنے شہود و وجود میں یقین حاصل ہو چکا ہے - اگر تم اس صنف سے نہیں ہو تو میں نے دوسرا جواب دیا - اگر تم صاحب عقل و تقید ہو - اور خدا نے تعالیٰ کو اپنے دلائل عقلیہ سے جو نتیجہ نکلتا ہے - اس میں محصور سمجھتے ہو - موسیٰ علیہ السلام نے کشف و عقلی دونوں وجہوں کو ظاہر کر دیا - تاکہ فرعون اُن کی فضیلت و صداقت کو جان لے شیخ کہتے ہیں موسیٰ جانتے تھے کہ فرعون ان کی فضیلت و صداقت کا پہلے ہی سے علم رکھتا تھا - یا اس وقت رکھتا تھا کیونکہ اُس نے ماہیت حقہ کا سوال کیا - پس موسیٰ نے جان لیا کہ فرعون کا سوال ماہیت سے اصطلاح قدام و حکم کے موافق نہیں ہے اسی واسطے موسیٰ نے جواب دیا - اگر اس کے سوا کچھ اور جانتے - تو فرعون کے سوال ہی پر اعتراض کرتے - اس کو خطا کا مظاہر کرتے - جب موسیٰ نے مسؤل عنہ یعنی حق تعالیٰ کو عین عالم بنایا - تو فرعون نے اُس زبان میں

جزء ہست پنجم

تخاطب کیا حالانکہ قوم فرعون کو اس کا شعور بھی نہ تھا۔ پھر فرعون نے کہا لَنْ اَتَّخِذَ لَكَ
 الْاِلهَا غَيْرِي لَا جَعَلْتُكَ مِنَ الْمُسْجُوْتِيْنَ۔ اگر تو میرے سوا کسی اور کو معبود
 بنائے گا۔ تو میں تجھ کو قید کردوں گا۔ سخن میں سین حروف زواید سے ہے۔
 اور سین گے جانے کے بعد جن رہ گیا۔ مترجم کہتا ہے۔ علمائے ادب
 کے پاس سین زائد نہیں فاعلہ ہے۔ اور جن کا مادہ جن ہے نہ کہ جن بہر حال
 یہ مقام اعتبار کا ہے۔ یعنی میں تجھ کو چھپا دلاں گا۔ کیونکہ تو نے وہ جواب دیا ہے
 جس سے میری تائید ہوتی ہے کہ میں تجھ سے یہ بات کہوں اور موٹلی۔ اگر تو
 زبان توحید سے مجھ سے کہے۔ اور فرعون!۔ تو بڑا نادان ہے۔ ایک ہی
 ذات کے جلوے بھی سمجھتا ہے۔ اور پھر مجھے ڈرا۔ مادہ صکا تا بھی ہے۔ توحید
 اور پھر تفریق کیسی۔ فرعون کہتا ہے میں تفریق و تمیز کرتا ہوں۔ ذات واحد کے
 مراتب ہیں۔ ذات واحد میں نہ تفریق ہے نہ تقسیم۔ اس وقت میرا مرتبہ
 تجھ پر فعل سے حکومت کرنے کا ہے۔ اور ذات حقہ کے لحاظ سے میں اور
 توحید اجد نہیں ہیں۔ موٹلی نے جب فرعون کی بات سن لی۔ تو فرعون کو
 اُس کا حق ادا کر کے فرمایا۔ تو مجھ پر حکومت نہیں کر سکتا حالانکہ حق تعالیٰ کو
 فرعون کے رتبے میں باعتبار ظاہری کے اس مجلس میں رتبہ ظاہر موٹلی پر
 حق تسلیم تھا۔ موٹلی فرماتے ہیں۔ تیرے ظلم و تعدی نے تیری حکومت و زبردستی
 مجھ پر باقی نہ رکھی۔ فرماتے ہیں اَوَلَمْ جَعَلْتُكَ يَشِيْئِيْ مُبِيْنًا كَيْفَ اَكْرِمُ تِيْرًا يَّاسًا
 روشن معجزہ لاؤں تو بھی حکومت کر سکتا ہے۔ فرعون سے کچھ نہ پڑی۔ کہنے لگا
 فَاَتِ بِهٖ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ پتھر ہو تو کھلا معجزہ دکھلاؤ۔ لاؤ فرعون نے
 یہ بات اس لیے بھی کہی کہ ضعیف العقل حاضرین دربار کے سامنے اُس کی
 ہٹ دھرمی و نا انصافی ظاہر نہ ہو جائے۔ لوگ فرعون کے متعلق شک کرتے تھے۔
 اور فرعون اُن کو ضعیف العقل احمق سمجھتا تھا۔ فَاَطَاْعُوْكُمْ كَاَنُوقُوْا مَا فَاَسْقِيْنَ
 لوگوں نے فرعون کی اطاعت کی۔ وہ تو فاسق قوم تھی۔ یعنی مقتضائے عقل صحیح سے
 نکل جانے والی قوم تھی۔ کیونکہ فرعون نے زبان ظاہر سے جو ادا کیا تھا۔ اس سے
 عقل انکار کرتی ہے۔ عقل کی بھی ایک حد ہے۔ صاحب کشف الیقین جب

جزوبت پنجم

اس سے تجاوز کرتا ہے تو اپنے مقام پر ٹھیر جاتی ہے۔ لہذا موسیٰ نے ایسا جواب دیا کہ صاحب کشف و یقین اور صاحب عقل دونوں اُس کو قبول کر لیں۔ فَاَلْقَىٰ عَصَاهُ مُوسٰی فَقَالَ اِهْوِثْ عَصَانُ مُبِیِّنٌ۔ سے فرعون کے عصیان و انکار کی صورت تھی فَاِذَا هُوَ ثُعْبَانٌ مُّبِیِّنٌ۔ وہ تو بے اثر و ناتواں پھر مصیبت و شَرطاعت و خیر سے مبدل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاٰیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِّحُوْا ثَمَنَ اللّٰهِ الَّذِیْ بَدَّلَ رَیْسَکُمْ مِنْ اَوْیْسٍ لِّمَنَکُمْ حَسَنَاتٌ اِنَّکُمْ کُنتُمْ لَمِنْ اَوَّلَیْنَ۔ یعنی حکم میں : یہاں حکم ظاہر ہوا کہ حقیقت عصا و ثعبان (اثر و ثبات) ایک ہی جوہر میں عصا و اثر و ثبات کی صورتوں میں ظاہر ہے۔ عصائے موسیٰ نے اپنے جیسے یعنی ساحروں کے سانپوں کو نگل گیا۔ کیونکہ وہ سانپ کی شکل میں تھا۔ اور عصائے موسیٰ نگل گیا عصاؤں کو۔ کیونکہ وہ خود بھی عصا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی محبت فرعون کی محبتوں پر غالب آگئی جو عصاؤں۔ سانپوں اور رستیوں کی صورت میں تھیں۔ ساحروں کے پاس رستیاں تھیں موسیٰ کے پاس رستی نہ تھی جبّل کے معنی عربی میں رستی اور چھوٹے ٹیلے کے ہیں غرض کہ ساحروں کا علم بمنزلہ ٹیلوں کے تھا؛ خیالی تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم بمنزلہ کوہ بلند کے تھا نفس الامری و واقعی تھا۔

جب ساحروں نے یہ دیکھا تو موسیٰ کے علمی مرتبے کو جان لیا۔ اور یہ کہ انھوں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ مقدور و طاقت بشری سے خارج ہے۔ اگر انسان کی مقدور میں ہو بھی تو اُس کو ہو سکتا جو علم حقیقی و خیالی و الہامی میں تمیز کر سکتا ہو؛ کیونکہ معجزہ موسیٰ سے عصا نفس الامر و واقع میں اثر و ثبات بن گیا تھا اور ساحروں کے عمل سے لوگوں کے خیالوں میں رستیاں سانپ معلوم ہونے لگیں۔ غرض کہ صاحب فن ساحر، رب العالمین رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لائے۔ یعنی وہ رب جس کی طرف موسیٰ و ہارون کی دعوت تھی۔ اُن کو معلوم تھا کہ قوم جانتی ہے کہ موسیٰ و ہارون فرعون کی خدائی کی دعوت نہیں دیتے

چونکہ فرعون عہد منصفہ ب حکومت پر تھا۔ صاحب وقت اور حاکم و خلیفہ صاحب تیغ و شمشیر تھا۔ اگرچہ زبان شرع میں ظالم تھا۔ اسی لیے کہہ اٹھا

جذبت و نجم

اَنَّا رَبُّكَوَالْاَعْلٰی میں تمہارا اعلیٰ پروردگار ہوں۔ یعنی اگرچہ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ شان ربوبیت ہے مگر میں سب سے اعلیٰ ہوں۔ کیونکہ مجھے تم پر ظاہری حکومت ملی ہے۔ ساحروں نے موٹئی کے صدق دعویٰ کو یقین جان لیا تھا تو انہوں نے موٹئی کے فرمودہ سے انکار نہیں کیا۔ اور اس کا اعتراف کر لیا۔ اور انہوں نے فرعون سے کہا اِنَّمَا نَقَضْنٰی هٰذِیْہِ الْحٰیوۃَ الدُّنْیَا فَاَنْقَضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ و فرعون ! تو اس دنیوی زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔ جو حکم دینا چاہتا ہے دے۔ رَج تیری باری ہے۔ پس فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ کہے اَنَّا رَبُّكَوَالْاَعْلٰی میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ پالنے والا ہوں۔ اگرچہ فرعون ذات حق سے جدا نہ تھا۔ مگر صورت تو فرعون کی تھی۔ اُس نے ان ساحروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ اُن کو سولی دے دی یعنی حق صورت باطل میں تھا کہ غریب ساحروں کو اس کے بغیر مرتبہ شہادت حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

اسباب و عقل کا تعطل ممکن نہیں۔ کیونکہ نظام حکمت بالغہ جزو ہیں۔ اور اعیان ثابتہ و علم الہی کا جزو ہیں۔ ہر شے وجود خارجی کی اسی طرح نمودار ہوتی ہے۔ جس طرح علم و ثبوت میں تھی کیونکہ لَا تَبْدِلُ اِلٰی لِحٰکِمٰتِ اللّٰہِ کلمات اللہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کلمات اللہ کیا ہیں۔ موجودات خارجی ہیں۔ موجودات خارجی کی طرف قدم منسوب ہوتا ہے۔ اعیان ثابتہ و علم الہی کی وجہ سے۔ اور اعیان ثابتہ کی طرف حدوث منسوب ہوتا ہے۔ باعتبار وجود خارجی و ظہور کے، جیسے تم کہتے ہو حَدَّثَ الْیَوْمَ عِنْدَنَا الْاِنْسَانُ اَوْ ضِیْفٌ اَج ہمارے پاس ایک آدمی یا ہمارا حادثہ ہوا۔ آیا۔ اُس وقت حادثہ ہوا۔ پیدا ہوا۔ موجود ہوا۔ کہنے سے لازم نہیں آتا کہ اس سے پہلے موجود نہ تھا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔ اُس کے تمام صفات قدیم اس کا کلام بھی قدیم ہے مگر اس کے باوجود کلام قدیم کے متعلق باعتبار عالم شہادت کے مُحَدَّث فرماتا ہے۔ مَا یَا یٰہِم مِّنْ ذِکْرِ مَن رَّہِم مُّحَدَّثٌ اِلَّا اَسْتَمَعُوْا و ہم یلعبون اُن کے پروردگار کے پاس سے کوئی تازہ یاد دہانی، کوئی محدث ذکر نہیں آتا مگر اس کو کھیلنے ہوئے سمجھتے ہیں وَمَا یَا یٰہِم مِّنْ ذِکْرِ مَن رَّہِم مُّحَدَّثٌ اِلَّا کَانُوْا عَنْہُ مُفْرِضِیْنَ اللّٰہُ جملن کے پاس سے کوئی یادداشت نہیں آتی مگر یہ کہ وہ لوگ اعراض کرتے۔

جذوبت پریم

روگردانی کرتے ہیں۔ یہ تو معلوم ہے۔ رحمن رحمت ہی کرے گا اور جو رحمت سے اعراض کرے، منہ پھیرے تو اُس پر عذاب ہی آئے گا جو عدم رحمت ہی ہے۔

فَلَمَّا رَأَوْا كَثُفَهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ اِلَّا قَوْمُ يُونُسَ اِنَّ كُوْنًا كَالْاِيْمَانِ نَفْعٌ نِّسٍ دَسَا جَبِكُمُ الْفُحُوسُ نَعِ

ہمارے عذاب کو دیکھا۔ (اور ایمان بالغیب باقی نہ رہا) یہ اللہ کا طریقہ ہے اپنے بندوں میں مگر قوم یونس کے ایمان نے (کہ یونس کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے) نفع دیا۔ (گویہ آیت عام ہے مگر صریحاً ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا ایمان اُن کو آخرت میں بھی نفع نہ دے گا) گوکہ صرف قوم یونس کا استثنا ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ دنیا کا عذاب ان سے مرتفع نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون یا وجود عذاب کے گرفتار عذاب ہوا۔ یہ بھی اُس وقت ہے کہ فرعون کو یقین ہو گیا ہو کہ وہ دار آخرت میں اُسی وقت منتقل ہو جائے گا۔ قرینہ حال سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُس کو مرنے کا یقین نہ تھا۔ کیونکہ اُس نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مسلمان خشک راستے سے گزر رہے ہیں جو موٹنی کے دریا کو عصا سے مارنے سے پیدا ہوا تھا؛ فرعون کو اپنے مرنے کا یقین نہ تھا جبکہ وہ ایمان لایا بخلاف محتضر یعنی قریب الموت آدمی کے پس فرعون کو محتضر پر قیاس نہ کیا جائے گا۔ لہذا فرعون اُس رب پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے تھے۔ اور شیخ کہتے ہیں اُس کو نجات کا یقین تھا۔ اور اُس کو نجات بھی ہوئی۔ مگر جس طرح فرعون چاہتا اُس طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی روح کو عذاب آخرت سے نجات دی اور اُس کے بدن کو ڈوبنے سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَلْيَوْمَ نُنْجِيْكَ بِدَلٰىكَ لِنَاوْنُ لِمَنْ خَلَقَكَ اٰیۃ۔

آج ہم تیرے بدن کو غرق سے بچالیں گے تاکہ تو مجھے والوں کے لیے نشانی ہو۔ عبرت ہو۔ کیونکہ اگر اپنے بدن کے ساتھ غائب ہو جاتا تو شاید لوگ کہتے کہ فرعون کہیں چھپ گیا ہے۔ لہذا اپنے معمولی جسد کے ساتھ مردہ ظاہر ہوا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہی فرعون ہے۔

غرض کہ شیخ کا خیال ہے کہ فرعون کو ظاہراً و باطناً نجات حاصل ہوئی جس پر عذاب آخرت ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ ایمان لاتا ہے

حزبِ نبی

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ مُّثَلِّيَةً الْعَذَابُ الْكَافِرِ أَكْرَأُكَ أَسْ كَسْ يَأْسُ هَرَسَمُ كِي نَشَانِي - یہاں تک کہ وہ دیکھ لے دروزناک عذاب یعنی عذابِ آخرت کا مزہ چکھ لے : پس فرعون اس صنف سے نکل گیا : ظاہر قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے - اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ فرعون کی حقیقت حال اللہ کے علم میں ہے - کیونکہ عام لوگوں کے دل میں فرعون کے کفر و شقاوت کا یقین بیٹھ گیا ہے : حالانکہ اُن کے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے جس سے وہ استناد کریں - اب رہا آل فرعون کا حکم تو اُن کا حکم جدا ہے - یہ مقام اُس کے ذکر کا نہیں ہے -

یہ بات معلوم رہے کہ اللہ کسی کو قیض نہیں کرتا - نہیں مارتا - مگر اُس کو ایمان آجاتا ہے - یعنی اخبارات الہیہ و رسل علیہ السلام کی اُس کو تصدیق ہو جاتی ہے - میری مراد مختصر قریب الموت شخص سے ہے - اسی واسطے آدمی موت محبات و قتل غفلت و مرگ ناگہانی سے کراہت کرتا ہے - موت فحاش کی تعریف یہ ہے کہ اندر کی سانس نکل کر پھر واپس داخل نہ ہو یہ اور چیز ہے اور مختصر اور چیز - اسی طرح قتل غفلت ہے - کہ کوئی نامعلوم طور پر پیچھے سے گردن اڑا دے - پس وہ شخص کفر و اسلام جس حال میں ہے - اسی پر مرے گا - اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے مرنے والے دیکھے اٹھو گے - یعنی کفر و اسلام جس پر مرے ہیں - اسی پر حشر کیے جائیں گے - کیونکہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کَمَا أَتَاكَ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنْ سَكَنٍ حَرْفٌ وَجُودِي ہے - وہ زمانے پر بغیر قرآن و احوال کے دلالت نہیں کرتا ہے لہذا بہت فرق ہے - کافر مختصر یعنی قریب الموت اور کافر مقتول بجال غفلت اور مرگ ناگہانی سے مرنے والے ہیں - جیسے ہم نے مرگ ناگہانی کی تعریف میں بیان کیا - آگ کی صورت میں موٹی سے کلام اور اُن کے لیے اُس صورت میں تجلی کیوں ہوئی - اُس کی حکمت اور اُس کا سہ کیا ہے ؟ موٹی آگ لینے نکلے تھے - آگ ہی کی طرف اُن کی پوری توجہ اور اُسی کی طرف یکسوئی تھی لہذا جس کی طلب میں نکلے تھے اُس کی صورت میں تجلی ہوئی : تاکہ موٹی اُس پر توجہ کریں اور اُس سے اعراض نہ کریں - کیونکہ اگر

جزویت و پنجم

صورت غیر مطلوب میں تجلی ہوتی تو موسیٰ اُس پر توجہ نہ فرماتے۔ اعراض کر جاتے۔
کیونکہ اُن کی جمیع ہمت اور پوری توجہ تو مطلوب خاص یعنی آگ کی طرف تھی۔
اگر موسیٰ اعراض کرتے تو رد عمل ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی اُن سے اعراض کرنا پڑتا۔
حالانکہ وہ اللہ کے برگزیدہ، پسندیدہ، مقرب پیغمبر تھے۔ اس قرب ہی کا
تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے مطلوب ہی میں تجلی فرمائی اور اُن کو
اس کی خبر بھی نہ تھی۔

گنار موسیٰ راہا عین حاجتہ
وہو الالہ ولکن لیس یدریدہ
آتش موسیٰ کہ انہوں نے اُس کو عین حاجت و مطلوب سمجھا۔ حالانکہ
وہ آتش عین حق و تجلی ہدایت تھی۔ مگر اُن کو خبر نہ تھی۔
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیسبری ہو جائے



تجربہ

فصول الحکم

جزوبست و ششم

فصل حکمت و حکایت (۲۴)

۴۲۰

فصل حکمتِ صمدیہ

بکلیہ خالدیہ

شیخ کہتے ہیں خالد بن سنان نے نبوت عالم شہادت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ برزخ یعنی قبر میں جو کچھ گزرتا ہے، اُس کے بیان کرنے کا وعدہ کیا۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ اُن کی قبر کھودی جائے۔ پھر وہ خبر دیں گے کہ کیا حیات برزخ مثل حیات دُنیا ہے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ تمام پیغمبروں نے جو کچھ حیات دُنوی میں رہ کر خبر دی تھی وہ سب درست و صادق تھی۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ تمام دُنیا ایمان لالے۔ اُن اخبارات پر جن کو پیغمبروں نے بیان کیا۔ وہ سب کے حق میں رحمت ہونا چاہتے تھے۔ اُن کی نبوت، نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا شرف رکھتی تھی۔ اُن کو اطلاع دی گئی تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجے گا۔ خالد عالم شہادت کے کوئی رسول نہ تھے۔ کیونکہ رسالت میں تبلیغ شرط ہے۔ وہ سب کے حق میں رحمت بن کر رسالت محمدیہ سے حصہ وافر حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اُن کو تبلیغ دُنوی کا حکم نہیں دیا گیا۔ لہذا اُنہوں نے چاہا کہ

شعبہ ششم
عزیزیت دوم

برزخ کے متعلق شہادت عینی دیں۔ اور لوگوں کے حق میں علم و معرفت قوی تر ہو۔
 اُن کی قوم نے اُن کو ضائع کر دیا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں
 فرمایا کہ اُن کی قوم ضائع ہو گئی۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ اُنہوں نے اپنے بنی کو ضائع
 کر دیا۔ کیونکہ اُن کو اُن کے مقصد کو نہیں پہنچایا۔ اب زیر بحث یہ مسئلہ رہ گیا ہے کہ
 کیا اُن کو اُن کی نیت کے موافق اجر ملے گا۔ اجر کے ملنے میں تو کسی کو اختلاف
 نہیں۔ اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ آرزو کا ثواب کیا فعل کے برابر ہوگا
 یا نہیں۔ شرع میں بہت سی جگہ وارد ہوا ہے کہ نیت کا ثواب عمل کے برابر
 ملے گا۔ مثلاً ایک شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے نکلا مسجد میں
 پہنچا تو نماز ہو چکی تھی۔ تو اُس کو حاضر نماز کا ثواب مل جائے گا۔ اسی طرح ایک شخص
 باوجود فقر کے اصحاب ثروت و مال جو کچھ نیک ارادے رکھتے ہیں یہ بھی اُس کی تمنا
 کرتا ہے تو اُس کو بھی اُن کا ثواب ملے گا۔ مگر کیا اہل مال کی نیتوں کے برابر ثواب
 ملے گا۔ یا اُن کے اعمال کے برابر۔ کیونکہ اصحاب عمل تو نیت بھی کرتے ہیں
 اس کے ساتھ عمل بھی کرتے ہیں۔ اس میں کسی کی تصریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے نہیں کی، بظاہر تو ان دونوں کا اجر مساوی نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے خالد بن شان
 علیہ السلام نے ابلاغ کو طلب کیا۔ تاکہ نیت و عمل دونوں کریں اور اُن کا
 ثواب حاصل کریں۔ واللہ اعلم۔



تجربہ

فَضْلُ الْحَكَمِ

جزو بست و مفقود

(۲۵) فضل حکمت سے بیکلام محکمہ

۴۲۴

فصل حکمت فریدیہ

بکلمہ محمدیہ

سر ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم فردیت ہے۔ کیونکہ آپ اس نوع انسانی کے کامل تر فرد ہیں۔ لہذا حقیقتہً نبوت آپ ہی سے شروع ہوئی اور آپ ہی پر ختم ہوئی۔ آپ بنی تھے اور آدم ہنوز آب و گل میں تھے۔ پھر اپنی نشأت و نمائندگی کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں۔ اور اول افراد کائنات کا عدد ہے اس کے سوا جتنے افراد ہیں۔ وہ اسی فرد اول سے صادر ہیں۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر پہلی دلیل ہیں حضرت کو اللہ تعالیٰ نے جو امع الکلم یعنی کلیات و اصول عطا کیے تھے وہ جو امع الکلم کیلئے ہیں۔ حقایق و منہیات اسمائے آدم ہیں جس طرح قیاس میں شکیث ہے یعنی اصغر۔ اوسط۔ اکبر یا صغریٰ۔ کبریٰ نتیجہ۔ اسی طرح آپ میں بھی تخلیث ہے۔ (۱) حدیث (۲) وحدت (۳) عین الاعیان یا معلوم کلی اجمالی۔ دلیل اپنے آپ پر دلیل اور بدیہی ہوتی ہے یعنی شکل اول میں جو مرجع اشکال ہے۔

جوابتِ حق

جو کہ آپ کی حقیقتِ فردیہ ادنیٰ کو پیدا کر گئی ہے اور اُس کی تیس
میں شلیٹ ہے اس لیے آپ نے محبت کے متعلق حوصلہ جوڑ دیا۔
مجھے تعاریٰ دُنیا سے تین چیزیں محبوب ہیں کیونکہ اس میں شلیٹ ہے۔
پھر آپ نے فرمایا: عورتیں اور خوشبو۔ اور میری آنکھوں کی ٹنڈا کب
ناز میں ہے۔ حضرت نے پہلے عورتوں کا ذکر فرمایا اور بعد ناز کا۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کا جزو ہے اپنی اصل ظہور میں۔ اور معرفتِ
انسان کی خود کی معرفتِ رب سے مقدم ہے اور معرفتِ رب
بقیہ معرفتِ نفس خود ہے۔ اسی لیے حضرت نے فرمایا میں غرضِ خدا
فَقَدْ عَرَفْتُ رَبِّي۔ اب پتا ہو تو تم یہ کہو کہ کوئی شخص نہ اپنے نفس کی حقیقت
جان سکتا ہے نہ رب تعالیٰ کی۔ اس سے دھواں الی اللہ کا محتاج ہوتا ہے
ہوتا ہے۔ پتا ہو تو یہ کہو کہ جو ایسے نفس کو بتایا جانے لگا تا جی رب تعالیٰ کو
جانے لگا۔ میری محتاجِ رب کے محتاج الیہ ہونے پر دال ہے۔ میرا امان
اُس کے وجوب پر۔ میرا عدم اُس کے وجود پر روشن دلیل ہے۔ یہی وہ ہے
سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم خود کو میں جان سکتے تو نہ اُکو کہ بانوس کے دوسرے
صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ تم خود بھی جانتے ہو اور خدا کو بھی۔ ہر شے
اللہ تعالیٰ پر دلیل ہے۔

برگِ درخانِ سبز در نظرِ پوششیار

ہر درختِ دنیہ ریتِ معرفتِ زوگوار

تمام دلائل میں سے واضح تر دلائل ذاتِ ختمی ہے۔ کیونکہ علمِ ظاہرِ عز
اپنی اصل پر دال ہے۔ سب کی اصل کیا ہے۔ رب تعالیٰ شانہ۔ بس کو
خوب سمجھو۔ یہ عورتوں کی محبوبیت کیوں ہے۔ کل کو جزو محبوب ہی ہوتا ہے
اس سے حق تعالیٰ کے متعلق بھی ایک بات معلوم ہوئی جو اس نشاتِ غدی
کے متعلق فرماتا ہے۔ وَتَحَنَّنَ قَيْدُ مَن رُّوحِي میں نے اُس میں اپنی روح بونگی۔
پھر بیان فرمایا کہ وہ انسان کی ملاقات کا بڑا مشتاق ہے۔ وہ اپنے نشاتِ
کے لیے فرماتا ہے اے داؤد میں اُن کا بہت زیادہ مشتاق ہوں یعنی اپنے

جذوبت و محبت

مشاقوں کا ۵

دریا پکارتا ہے ادھر دیکھ اے حباب
 تیرے لیے میں تیری طرح بقیہ ابرہوں ^{حسرت}
 یہ ایک تقائے خاص و ملاقات مخصوص ہے بے مرے کے خدا نہیں ملتا۔
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث و جال میں فرماتے ہیں۔ تم میں سے کوئی شخص
 جب تک نہ مرے اپنے خدا کو دیکھ نہیں سکتا۔ جس کی یہ صفت ہوگی وہ
 ضرور مشتاق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا شوق بھی اپنے مقربوں کے لیے اسی قدر ہے۔
 باوجودیکہ حق تعالیٰ اپنے عاشقوں کو دیکھتا ہے تو وہ بھی حق تعالیٰ کو ضرور
 دیکھنا چاہیں گے مگر مقام دنیا دیدار حق سے مانع ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے
 حق تعالیٰ فرماتا ہے حَتَّى تَخْلُقَ بِهِنَّ تِلْكَ كَمِیْنِ جَانِ لَوْ۔ باوجودیکہ حق تعالیٰ
 عالم ہے۔ وہ اس صفت خاص و طریقہ مخصوص کے طور پر ملاقات کا شوق
 رکھتا ہے جو بے موت ہوگی۔ اس وقت عاشقوں کے شوق کو بھی تسکین ہوگی۔
 حدیث قدسی جس میں حق کا تردد مذکور ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے۔ فرماتا ہے
 کوئی کام جو مجھے کرنا ہے اس میں سے کسی میں مجھے ایسا تردد نہ ہوا جیسا مجھے
 مومن بندے کے فیض روح کے وقت ہوتا ہے۔ وہ مرنے کو کمرہ بھتا ہے۔
 اور میں اس کی ناخوشی کو کمرہ جانتا ہوں۔ گرائس کا مجھ سے ملنا بھی ضروری ہی ہے۔
 اپنے عاشق کو اپنے وصال و ملاقات کی بشارت دی۔ ادویوں نہ فرمایا کہ
 اس کا مرنا ضرور ہے تاکہ موت کے ذکر سے غلین نہ ہو چونکہ بے مرے کے خدا نہیں ملتا۔
 جیسے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص ہر گز اپنے رب سے
 نہ ملے گا جب تک نہ جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور میرا ملنا
 میری ملاقات بھی ضروری ہے۔ غرض کہ اشتیاق حق کا اس نسبت کے
 وجود کے لیے ہے۔

يَحْنُ الْحَبِيبِ إِلَى رُؤْيَايَ

میرا دوست میرے دیدار کے لیے بقیہ ابرہوں

مشتاق ہے۔

جزویت مفہم

وَإِنِّي إِلَيْهِ أَشَدُّ حَنِينًا

اور میں اُس کے لیے اُس سے زیادہ مشتاق و بیقرار ہوں۔

وَتَهْوَى النَّفُوسُ وَيَا بِي الْقَضَا

نفوس کو دوست رکھتے مگر تقدیر انکار کرتی ہے۔

فَا شْكُوا لَا تَلْنَّ وَيَشْكُوا لَا نِينَا

ادھر میں آہ و نالہ کرتا ہوں اور ادھر وہ آہ و نالہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَفَحَّثْ فِيهِ مِنْ رُوحِي میں نے اس میں اپنی

روح پھونکی۔ تو درحقیقت وہ اپنا آپ ہی مشتاق ہے۔

اللہ نے بندے کو اپنی صورت اپنے رنگ و ڈھنگ پر پیدا کیا۔

کیونکہ بندہ اس کی روح سے ہے چونکہ اُس کی نشأت و خلقت ان ارکان اربعہ

سے ہے یعنی آب۔ آتش۔ خاک و باد سے جو جسد میں پہنچ کر اخلاط کہلاتے ہیں

یعنی صفرا۔ خون۔ بلغم۔ سودا۔ اس نفخ سے رطوبت غریزی جسد میں ایک

اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ جو حرارت غریزی کا سبب ہے۔ پس اپنی نشأت و

خلقت کی وجہ سے روح کیا ہے۔ ایک شعلہ آتش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

خدا نے تعالیٰ نے موٹلی سے صورت آتش میں کلام کیا۔ اور اُن کو آگ

کی ضرورت لگا دی۔ اگر انسان کی نشأت و پیدائش طبعی ہوتی۔ یعنی

غیر عنصری و آسمانی ہوتی تو اُس کی روح نور ہوتی۔ اور روح کے ساتھ نفخ اور

پھونکنا اس لیے فرمایا کہ اس میں اشارہ کیا جائے نفس رحمانی کی طرف یعنی

یہ روح نفس رحمانی سے پیدا ہوئی ہے۔ یہ نفس رحمانی ہی ایک نفخ ہے جس سے

روح انسانی اور اُس کی حقیقت خارج و عین میں ظاہر ہوئی اور منقوخ فیہ

یعنی محل کی استعداد کے موافق روح و نفس رحمانی نار ہوئی، نور نہ ہوئی۔

پس نفس حق یا روح حق اس چیز میں جا پھنسی جس سے انسان انسان ہے۔

پھر انسان ہی میں سے یعنی آدم میں سے اُسی کی صورت شکل کے ایک

دوسرا انسان یعنی حوا کو پیدا کیا۔ پھر آدم کو حوا کا اس طرح شوق پیدا ہوا جس طرح

انسان اپنے جڑ کو چاہتا ہے اور حوا آدم کو چاہنے لگی جیسے کوئی اپنے وطن اور اصل کو

جزیست و مفہم

دوست رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد عورت سے محبت کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ بھی اُس مخلوق کو دوست رکھتا ہے جو اُس کی صورت اُس کے رنگ ڈھنگ پر ہے۔ اور ملائکہ نور ہی سے اُس کو سجده کرا دیا۔ باوجودیکہ اُن کی قدر و منزلت اُن کی خلقت و نشأت طبعی کے لحاظ سے عظیم الشان ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ اور انسان کامل میں مناسبت ہے۔ اور صورت ہی سے مناسبت اعظم و اجل و اکمل ہوتی ہے۔ یہی صورت انسان کامل وجود حق کی جوڑی ہے تصویر ہے جیسے عورت اپنے وجود سے مرد کی جوڑی اور زوجہ بن گئی ہے۔ اس وقت تین چیزیں ظاہر ہوئیں (۱) حق تعالیٰ (۲) مرد۔ (۳) عورت۔ مرد آدمی اپنے رب کا مشتاق ہے جو اُس کی اصل ہے جس طرح عورت مرد کی مشتاق ہے جو اُس کی اصل ہے۔ اللہ نے عورت کو مرد کا محبوب بنا دیا۔ جس طرح اللہ کی تصویر یعنی انسان کامل اللہ کا محبوب ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ مرد کو اپنی فرع، اپنے جزو سے محبت ہے یعنی عورت سے اور خدائے تعالیٰ کو۔ مرد سے محبت جس سے مرد وجود میں آیا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبِّبِ میرے دل میں محبت ڈال دی گئی اور یہ نہ فرمایا میں محبت کرتا ہوں یعنی خدا کو جس کی صورت آپ میں ہے

متطوریہ تھا ظہور سے حضرت کے

بندے بھی تو دیکھ لیں خدا کی صورت

حاصل یہ کہ محبت ایک فطری اختیار ہی ہے۔

حضرت کا، انسان کامل کا، اپنی بیوی کو چاہنا بھی اتباع خداوندی ہے کہ

خدا نے اپنی فرع یعنی مرد کو چاہا تو مرد نے بھی اپنی فرع یعنی عورت کو چاہا
تخلعوا باخلاق اللہ اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔

جب مرد کو عورت کی محبت فطری و لازمی ہے۔ تو اُس نے مصالح

اور بالکل ایک ہو جانے کو چاہا، اس نشأت عنصری اور مادی دنیا میں پیوند

جزیہ پنجم

ہو جانے، ایک۔ ہو جانے کا طریقہ نکاح کے سوا نہ تھا۔ یہاں وجہ ہے کہ شہوت و شوق تمام اجزا میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی واسطے ہمارے کا حکم دیا گیا تاکہ بھارت بھی کامل ہو۔ اس لیے کہ وقت شہوت اُس پر فنا عام ہو گئی تھی۔ اور یہودی جھاکئی تھی۔ حق تعالیٰ اپنے بندے پر بڑا بخیر ہے۔ کیوں بندے نے غیر خدا کی طرف توجہ کی، کیوں سمجھا کہ وہ غیر خدا سے لذت پاتا ہے۔ لہذا اُس کو غسل کا حکم دے کر پاک کر دیا۔ تاکہ عورت جس میں فنا ہوا یا تھا۔ اُس میں بھی توجہ الی الحق کرے۔ یہی غفلت عن اللہ تو موجب غسل ہے۔ جب مرد عورت میں جن کو مشاہدہ کرے۔ اُس کی طرف توجہ رکھے تو یہ منفعیل معمول متاثر نہیں شہود ہے۔ مشاہدہ ہے۔ اگر خود میں حق کو دیکھے اس نظر سے کہ عورت اُس سے پیدا ہوئی ہے تو یہ فاعل میں مشاہدہ حق ہے۔ اگر حق کو خود میں دیکھے اور اپنی فرع عورت کی صورت کا خیال نہ رہے تو اس وقت مرد منفعیل اور حق فاعل و متصرف بالواسطہ ہے۔ غرض کہ مرد کا حق کو عورت میں مشاہدہ کرنا اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ اس وقت حق کو خود باعتبار فاعل کے عورت میں باعتبار منفعیل کے نیز خود میں اس اعتبار سے کہ حق فاعل و موثر اور خود منفعیل۔ متاثر ہے مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی لیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے بہت محبت کی کیونکہ عورتوں میں شہود حق کامل طور پر ہوتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ مواد سے مبرد ہو کر کبھی نہیں مشاہدہ کیا جاتا کیونکہ اس اعتبار سے وہ تمام بہان سے مستغنی ہے۔ جب حق تعالیٰ کا مادہ سے پاک ہو کر مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اور مشاہدہ ہو سکتا ہے تو صف مادہ میں تو عورتوں میں شہود کامل ہوتا ہے۔ اتحاد وصال اور مناسب نکاح میں حاصل ہوتا ہے اور یہ ذلیل ہے مخلوقات پر توجہ الہی کی خصوصاً انسان کامل پر کہ اُس کی صورت پر ہے کہ وہ خلیفہ حق ہے۔ حق تعالیٰ اس میں اپنی صورت دیکھے بلکہ خود کو دیکھے کیونکہ وہ تصویر قدرت ہے۔ انسان کو صاف و درست کیا اُس کے جسد میں اپنی روح پھونکی ہے

کیا فرشتوں کو خبر تھی کہ یہ خاکی پتلا
جان پڑتے ہی طلسمات کا پتلا ہو گا

جزو بہت دہم

مرد کا ظاہر خلق ہے اور باطن حق ہے۔ اسی لیے روح مدبر بدن ہے۔
 اللہ تعالیٰ اسی روح کے توسط سے تدبیر کرتا ہے۔ آسمان سے لے کر
 زمین تک۔ اعلیٰ علیین سے لے کر اسفل السافلین تک۔ کیونکہ اجزائے عالم
 میں سے ہر سب سے پست زمین ہی ہے۔ عورتوں کو عزلی میں نسا
 کہتے ہیں۔ یہ صیغہ جمع کا ہے۔ اس کا واحد اس کے مادے سے نہیں ہے۔
 بلکہ امرأۃ ہے۔ اس لیے حضرت علیہ السلام نے فرمایا مجھے تمہاری دنیا
 سے تین چیزیں محبوب ہیں نسا یعنی بیویاں۔ اور یہ نہ فرمایا امرأۃ یعنی عورت۔
 عورتوں کے تاخر اور بعد پیدا ہونے کی رعایت کی۔ کیونکہ نسا کے معنی
 تاخیر کے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهَا النَّسِیُّ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ کِیْسَ کے
 مہینے کو حج میں تاخیر کرنا کفر میں زیادتی ہے اور بیع بہ نسیم ادھا خریدنے میں
 بھی تاخیر ہے۔ اسی وجہ سے لفظ نسا فرمایا۔ لہذا انسان کامل اپنی بیوی کو
 مرتبہ کی وجہ سے ہی دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ محل افعال ہے۔ عورتیں
 مردوں کے لیے ایسی ہیں جیسے طبیعت حق کے لیے ہے۔ جس
 توجہ ارادی اور امر الہی سے صورت عالم نمایاں ہوئے ہیں۔ یہ امر الہی ایسا ہے
 جیسے نکاح، عالم صورت عنصری میں۔ اور ہمت، عالم ارواح نورانی میں۔ اور مغربی
 و کبریٰ کا ملنا انتاج میں۔ یہ سب گویا نکاح ہے، فرویت اولیٰ الغنی تشریف کا۔
 ان سب صورتوں میں۔

جو اپنی بیویوں کو اس طریقے اور حیثیت سے محبت کرے تو وہ خدا
 ہی کی محبت ہے اور جو صرف شہوت طبعی کی غرض سے محبت کرے
 تو اس کو اس محبت کا علم صحیح ہی نہیں ہے۔ وہ ایک قسم کا حیوان ہے۔
 جو سرور از محبت سے جاہل ہے۔ اس کی محبت صورت بے روح ہے۔
 اگرچہ یہ صورت نفس الامر میں جاندار ہے۔ مگر اس جاہل کو کیا مشہود معلوم
 ہوگی جو اپنی بیوی کے پاس آتا ہے یا کسی اور عورت کے پاس آتا ہے؟
 چاہے کوئی ہو۔ صرف شہوت رانی لذت یا بی کی خاطر۔ مگر وہ نہیں جانتا کہ
 یہ طلب کس کی ہے۔ یہ شوق کس کے لیے ہے۔ یہ اپنے حال سے اتنا ہی

جاہل ہے۔ ناواقف ہے جتنا اُس کا غیر اُس کے حال سے ناواقف ہے۔
جب تک وہ اپنے منہ سے نہ کہے اور اُس کے غیر کو علم نہ ہو۔ اونا دارالہ
سمجھ۔ منبع الوجود حقیقت عشق محبت ذاتی ہی۔ مرد میں محبت بن کر جلوہ گر ہے
اور عورت میں محبوب بن کر نمودار ہے۔ بعض شعرا نے کہا ہے

صَحَّ عِنْدَ النَّاسِ إِنِّي عَاشِقٌ

لوگوں کو اتنا تو ثابت ہو گیا کہ میں عاشق ہوں۔

غَيْرُ أَنَّ لَهَا غَيْرًا فَوْقَ عِشْقِي لِمَنْ

مگر انہیں کیا معلوم میں کس کا عاشق ہوں۔

اسی طرح شہوت ران لذت طلب۔ لذت کا طالب ہے تو اُس کے
محل عورت کا بھی طالب ہے مگر افسوس وہ روح مسئلہ مغز سخن سے
جاہل ہے؛ جانتا تو معلوم ہوتا۔ کہ کون کس سے لذت پارا ہے۔ اس وقت
وہ انسان کامل ہوتا۔ مرد عاقل ہوتا۔

مرد سے عورت پیدا ہوئی اس لیے اس کا مرتبہ مرد سے پست ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِمْ دَرَجَةٌ مَرَدُونَ کو عورتوں پر ایک
درجہ فضیلت ہے؛ اسی طرح مخلوقات کا مرتبہ بھی خالق کے مرتبے سے
کم ہے گو کہ مخلوق خالق ہی کی صورت اور اُس کے کمالات کا ظہور ہے۔
حق تعالیٰ کا وہ مرتبہ و درجہ جس کی وجہ سے وہ مخلوق سے ممتاز ہے۔
اُسی کی وجہ سے عالمین سے غنی ہے، صمد و بے نیاز ہے وہ فاعل اقل ہے۔
اور صورت فاعل ثانی ہے۔ پس حق تعالیٰ کو جو اولیت ہے وہ مخلوق
کو نہیں۔

جب اعیان و حقائق باعتبار مراتب کے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔
تو عارف ہر مستحق کو اُس کا حق ادا کرتا ہے۔

اسی لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بی بیوں سے محبت کرنا
محبت الہی پر مبنی ہے؛ اللہ تعالیٰ ہر شے کو اُس کی استعداد کے موافق عطا
کرتا ہے یعنی اُس کا حق عطا کرتا ہے۔ حکیم علی الاطلاق ہر شے کو اُس کے

استحقاق کے مطابق دیتا ہے یعنی ہر شے کے اقتضائے ذات و حقیقت کے مطابق دیتا ہے یہی عین حکمت ہے۔

دیتا ہے ہر اک کو حکیم (حسرت) جس کی جیسی لیاقت ہے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسا کے ذکر کو مقدم کیوں کیا۔ تین محبوب چیزوں
 میں عورت کو پہلے کیوں بیان فرمایا۔ اس لیے کہ عورت محل افعال اور
 قابل اثر ہے۔ اور قابل مقبول سے پہلے ہوتا ہے جیسے کہ طبیعت کل، ہر
 شخص طبعی سے یعنی اس شے سے کہ طبیعت کل سے مخصوص صورت میں
 موجود ہوئی۔ یہی طبیعت اسمائے الہی کے تاثرات قبول کرتی اور اعیان عالم علوی
 و سفلی کو شامل اور ان کے استعدادات کو حاوی ہے۔ یہ طبیعت کلیہ کیا ہے۔
 نفس رحمانی ہے۔ اسی میں عالم کی صورتیں اعلیٰ سے لے کر اسفل تک نفخ
 کی گئی ہیں یعنی ڈالی گئی ہیں۔ کیونکہ نفخ رحمانی عالم اجرام و اجسام کے جوہر میولانی
 و مادی میں جاری و ساری ہے۔ اور نفخ الہی کاسریان، ارواح نورانی و
 اعراض میں ایک دوسرا ہی سریان ہے۔ پھر حضرت بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اس حدیث میں تائید کو تذکیر پر غالب فرمایا۔ حضرت کا مقصد عورت
 کی اہمیت ظاہر فرمانا ہے۔ لہذا آپ نے ثلاث فرمایا ثلاثہ نہ فرمایا۔
 عربی میں ثلاث عورت کے لیے اور ثلاثہ مرد کے لیے آتا ہے۔ باوجودیکہ
 اس میں طہیث کا افتظ بھی ہے جو مذکر ہے۔ حالانکہ عربوں کی عادت ہے کہ
 مذکر کو مونث پر غالب کرتے ہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں۔ عورتیں اور زید
 بکلی۔ گئے اور نہیں کہتے، بکلیں۔ گئیں۔ مذکر کو مونث پر غالب کیا۔
 اگرچہ مذکر ایک ہے اور مونث جمع ہے۔ آپ تو عرب تھے افہم العرب و انعم
 تھے تائید کو تذکیر پر غالب کر کے آپ نے ایک معنی خاص کی رعایت
 و قصد فرمایا۔ اور وہ مشاہدہ حق میں اہتمام ہے۔ اگر یہ اہتمام نہ ہوتا
 تو اسوائے حق یعنی بیوی سے محبت ہی نہ کرتے۔ جو آپ کو معلوم نہ تھا
 اس کی تعلیم اللہ نے دی۔ حضرت پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اس لیے تو
 آپ نے تائید کو تذکیر پر تغلیب اور ثلاث فرمایا نہ ثلاثہ۔ ماشاء اللہ

حضرت حقایق کو کس قدر جاننے والے ہیں۔ اور حقوق کی کس قدر رعایت فرمانے والے ہیں۔

پھر آخر میں بھی مثل اول کے مونث لفظ ہی لائے۔ یعنی پہلے نسا کا لفظ تھا وسط میں طیب کا لفظ اور آخر میں صلوة کا لفظ۔ نسا و صلوة دونوں مونث ہیں۔ ان دو مونث لفظوں میں طیب کا لفظ مذکر ایسا ہے جیسے آپ ذات مقدسہ اور عورت کے درمیان۔ ذات مقدسہ سے مرد۔ اور مرد سے عورت ظاہر ہوئی ہے۔ ذات مقدسہ میں تانیث لفظی اور امرأة و عورت میں تانیث حقیقی ہے اسی طرح نسا میں تانیث حقیقی ہے اور صلوة یعنی نماز میں تانیث لفظی ہے اور لفظ طیب مذکر ہے۔ جو ان دو مونثوں کے درمیان مذکور ہے جیسے آدم ذات مقدسہ اور حوا کے درمیان کہ آدم ذات مقدسہ سے پیدا ہوئے۔ اور حوا آدم سے پیدا ہوئیں۔ اب پھر تو انسان ذات سے پیدا ہوا کہو یا عفت سے یا قدرت سے۔ یہ سب الفاظ مونث غیر حقیقی ہیں۔ جو طریقہ اختیار کرو مونث غیر حقیقی آدم سے یا انسان کامل مقدم ہوگی۔ دنیا کے علل و معلول کے پسند سے منہ پھرنے ہوئے بھی۔ جو حق تعالیٰ کو علت عالم و علت العلل سمجھتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی مرجع کی طرف سمجھتے ہیں جو لفظ علت ہے جو مونث ہے۔

حضرت نے نسا اور عورت کے بعد طیب و خوشبو کا ذکر کیا اور فرمایا عورت میں مرد خود اپنی خوشبو محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ مرد سے بنی ہے۔ عربی میں ہے الطیب الطیب عناق الحبيب بہترین خوشبود دوست کے گلے لٹاتا ہے۔ معانقہ یار نہ کہ کتاب کا بار۔ رسول مقبول اصلی بندے پیدا ہوئے تھے۔ تو آپ نے کبھی سرکشی سردارانہ نہ کی۔ ہمیشہ سر بسجود تھے۔ بندگی سرافکندگی میں تھے۔ اور دامت اللہ تعالیٰ سے منفعل و متاثر تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا کیا پیدا کیا۔ آپ کو رتبہ قاعلیت و تاثیر عطا کی۔ آپ کے تاثیرات عالم ارواح و انفاس میں ہیں، جو نہایت عطر آمیز ہیں۔ پس خوشبو آپ کو پسند تھی۔ اسی لیے آپ نے نسا کے بعد ہی خوشبو کا ذکر فرمایا۔

جزو بیت دہم

اسی لیے آپ نے حق تعالیٰ کے درجات کا لحاظ رکھا اور ان کی مراعات کی۔ رعایت کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رفیع الدرجات ذو العرش بلند مراتب و درجات والا صاحب عرش حکومت ہے۔ وہ اپنے اسم رحمان سے سب پر چھایا ہوا ہے سب پر اُس کی رحمانیت کا غلبہ ہے۔ اُس کے زیر عرش جتنے ہیں جو کچھ ہے سب کو اُس کی رحمانیت الہی سے حصہ ملتا ہے۔ فرماتا ہے۔ ورحمتی وسعت کل شیئی میری رحمت میں سب کی سمائی ہے۔ اُس کا تخت حکومت ہر شے کی وسعت رکھتا ہے۔ رحمان حاکم علی الاطلاق ہے۔ وہ سب پر مستوی و مستولی و غالب ہے۔ اُس کی حقیقت تمام عالم میں جاری و ساری ہے۔ اس مسئلے کو ہم نے اس فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ میں متعدد دفعہ بیان کیا ہے۔ حق تعالیٰ نے طیب و خوشبو کو اُس ارتباط نکاح میں سیدتنا عائشہ کی برأت میں بیان فرمایا ہے الخبیثات للخبیثین و الخبیثون للخبیثات و الطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات اولئک مبرؤن مما یقولون ناپاک باتیں یا عورتیں، ناپاک مردوں کی ہوتی ہیں۔ ناپاک مرد، ناپاک باتوں یا عورتوں کے لیے ہیں۔ پاک باتیں یا عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک باتوں یا عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ لوگ میرا و پاک ہیں ان ناپاک باتوں سے کہ لوگ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی باتوں کی ہوا کو خوشبو فرمایا۔ کیونکہ بات بھی سانس ہے۔ اور وہی بوسہ۔ سانس میں سے خوشبو اور بدبو دونوں نکلتی ہیں۔ خوش بو، بدبو۔ بات کی صورت ہے۔ اچھی بات معطر ہوتی ہے۔ اور بُری بات مکروہ، بدبودار۔

یہی سانس جب بلا واسطہ منسوب الی اللہ ہو تو طیب اور خوشبودار بھی ہے۔ اور شرعی مدح و ذم کے لحاظ سے طیب بھی ہے، خبیث بھی ہے۔ پاک بھی ہے ناپاک بھی ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لہسن کی بدبو کے متعلق فرماتے ہیں۔ وہ ایک درخت ہے جس کی بدبو مجھے مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے نہ فرمایا میں اُس سے کراہت کرتا ہوں۔ کسی شے کی ذات مکروہ نہیں ہوتی۔

لیکن عالم و موجودات سے خبیث کو بالکل خارج کر دینا کمال دینا
یہ ناممکن ہے۔ رحمت الہی خبیث و طیب سب سے متعلق
ہوتی ہے۔ خبیث کے پاس خبیث ہی طیب معلوم ہوتا ہے۔ اور
اُس کے پاس طیب خبیث ہے۔ دُنیا میں کسی شے کو طیب کہتے ہیں۔
تو وہ خاص وجہ کے لحاظ سے۔ خاص مزاج کے حق میں خبیث ہے۔
اور بالعکس۔ اب رہ گئی تیسری چیز سے فردیت اولیٰ کی تصدیق
ہوتی ہے یعنی نماز۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز
کر دی گئی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ مشاہدہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز
اللہ اور بندے میں مناجات اور سرگوشی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
فَاذْكُرُونِي اذْكُرْكُمْ تم میری یاد کرو میں تمہاری یاد کرتا ہوں۔ صلوٰۃ
ونماز کیا ہے۔ ایک عبادت ہے۔ جو اللہ اور بندے میں منقسم ہے۔
ایک حصہ خدا کے متعلق ہے۔ ایک بندے کے متعلق جیسے کہ صحیح
حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ نماز مجھ میں

بزرگست و جنت

میرے بندے میں نصف نصف تقسیم کی گئی ہے۔ اس میں سے آدھی تو میری ہے۔ اور آدھی میرے بندے کی۔ اور بندہ جو مانگے گا اُسے مل جائے گا۔ بندہ کہتا ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں شروع کرتا ہوں یا کام کرتا ہوں نام سے اللہ کے جس کی رحمت اتنا ہی بھی ہے یعنی ابتدائی بلا معاوضہ اور وجوہی بھی یعنی جزائے عمل۔ یا اُس کی رحمت متعلق یہ عام بھی ہے اور رحمت متعلق یہ خاص بھی۔ یا رحمت متعلق بر مومن و کافر دونوں ہے اور مختص بہ مومنین بھی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری یاد کی میرا ذکر کیا۔ بندہ کہتا ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ تعریف تو تمام جہانوں کے پروردگار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری حمد کی۔ میری تعریف کی۔ بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ دُنْیَا میں بھی وہی رحم کرنے والا ہے۔ اور آخرت میں بھی وہی رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری صفت بیان کی ثناء بیان کی۔ میرے گن گنائے۔ بندہ کہتا ہے مَا لَکَ یَوْمَ الدِّیْنِ رَوْحًا کَا مَالِکَ ہے۔ قیامت کے دن جو کچھ ہوگا خدا ہی کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اور اپنے سب کام میرے حوالے کر دیے۔ یہ پورا نصف سورہ خالص خدا کا ہے۔ پھر بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ بندگی کرتے ہیں۔ انتہائی خاکساری دکھاتے ہیں۔ اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور تجھی کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ بندہ جو مانگے گا اُس کو دیا جائے گا۔ یہ آیت مشترک ہے۔ بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ چلا اُن لوگوں کا راستہ جن کو تو نے نعمت دی۔ انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ نہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب اُترا ہے۔

جزو سبب دہم

بد اعتقاد ہیں، بے دین ہیں، یا یہودی ہیں۔ اور نہ اُن لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہیں۔ بدکردار ہیں۔ گنہگار ہیں۔ نصرانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ آیتیں میرے بندے کے لیے ہیں۔ اور بندہ جو مانگے گا اُس کو مل جائے گا۔ یہ آیتیں خالص بندے کے لیے ہیں جیسے کہ ابتدائی آیتیں خالص اللہ کے لیے تھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔ اُس نے وہ نماز نہیں پڑھی جو اللہ اور بندے میں منقسم ہے۔

چونکہ نماز مناجات ہے۔ لہذا وہ ذکر ہے۔ یاد الہی ہے۔ جس نے یاد حق کی اُس نے ہم نشینی حق حاصل کی۔ اور حق نے ہم نشینی بندہ کی۔ کیونکہ خبر الہی یعنی صحیح حدیث قدسی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا جلیس من ذکرانی میں اُس کا ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے۔ میری یاد کرتا ہے۔ اور جو ہم نشین حق ہے، جو اُس کی یاد میں ہے۔ جو صاحب بصر و بینائی ہے۔ اپنے ہم نشین کو دیکھتا ہے۔ پس یہ مشاہدہ ہے۔ دیدار ہے۔ اگر ذکر کی تیز بینائی نہیں۔ قلبی بصیرت نہیں تو وہ حق تعالیٰ کو نہ دیکھے گا۔

یہیں سے نمازی اپنے رتبے کو اپنے مقام کو سمجھتا ہے۔ کیا اُس کو دیدار حق ہے۔ اس نماز میں یا نہیں۔ اگر اُس کو مشاہدہ و دیدار نہیں۔ تو ایمان ہی کے ساتھ عبادت کرے گویا کہ وہ حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی مناجات کے وقت اُس کے اور قبلے کے درمیان ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آ رہا ہے اُس کو کان لگا کر سنے۔ اگر وہ اپنے عالم انسان کا امام ہے تو وہ اُن فرشتوں کا بھی امام ہے جو اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ہر آدمی جو کہ تنہا بھی نماز پڑھتا ہے۔ وہ امام ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر آدمی تنہا نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بہر حال نمازی کو رتبہ رسول ملتا ہے۔ یعنی اللہ کی نیابت و خلافت۔ جب بندہ سمع اللہ لمن حمد لا کہتا ہے یعنی سن لی اللہ نے

جزویت معنی

اُس شخص کی تعریف جو اُس نے اللہ کی کی۔ جب یہ کہتا ہے، تو وہ خود کو اور مقتدیوں کو سناتا ہے کہ اللہ نے اُس کی تعریف کرنے کو سن لیا۔ پھر ملائکہ اور حاضرین مقتدی کہتے ہیں ربنا ولک الحمد۔ اے ہمارے پروردگار تعریف تیرے ہی لئے ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بندے کی زبان سے فرمایا سمع اللہ لمن حمد لا۔

ذرا نماز کے مرتبہ بلند کو دیکھو کہ اُس نے نمازی کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ جس کو نماز میں درجہ ویدار حاصل نہ ہوا۔ وہ نہ مقصد نماز کو پہنچا۔ نہ نماز میں اُس کو آنکھوں کی ٹھنڈک پیدا ہوئی۔ کیونکہ اُس نے دیکھا ہی نہیں۔ اُس کو جس سے مناجات کرتا ہے۔ اگر دیدار سے بھی محروم ہے۔ اور حق تعالیٰ کے پاس سے جو وارد ہوتا ہے اُس کو سنتا بھی نہیں ہے۔ تو وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ جن کے لیے وارد ہوا ہے القی السمع دھو شہید جس نے کان لگا کر سنا اور وہ حاضر دل بھی ہے۔ اور جو شخص نہ دیکھتا نہ سنتا ہے اور نماز میں اپنے رب کے پاس حاضر بھی نہیں ہے یعنی حاضر دل نہیں ہے۔ تو وہ بالکل مصلیٰ نمازی ہی نہیں ہے اور نہ القی السمع دھو شہید کا مصداق ہے۔

کوئی عبادت نماز کے سوا ایسی نہیں ہے جو غیر عبادت کام میں شغل و تصرف سے روکے۔ نماز میں اللہ کا ذکر بھی بہت بڑا ہے۔ کیونکہ اس میں اقوال بھی ہیں۔ افعال بھی ہیں۔ ہم نے فتوحات مکہ میں۔ نماز میں انسان کامل کا کیا حال ہوتا ہے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر تحقیق نماز بے حیالی اور ناپسند افعال سے منع کرتی ہے۔ روکتی ہے۔ کیونکہ نمازی کے لیے حکم ہوا ہے کہ جب تک نماز میں ہے۔ نمازی کہلا رہا ہے۔ نماز کے سوا دوسرا کام نہ کرے ولذا کہ اللہ اکبر اللہ کا اپنے بندے کو یاد کرنا بڑی چیز ہے۔ اللہ کا اپنے بندے کو یاد فرمانا۔ سوال کا جواب دینا۔ دینا کو قبول کرنا۔ بندے کی مدح و ثنا فرمانا۔ بندے کے خدا کی یاد کرنے سے

جواب دہنم

بزرگ تر ہے۔ کیونکہ کبریائی۔ بزرگی اللہ جل و علا کے لیے ہے اسی لیے فرماتا ہے
 وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ اور اللہ جانتا ہے تم جو کرتے ہو۔ اور فرماتا ہے
 اَوَلَمْ يَلْقَ السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ اَيَّ كَانِ لَمَّا كَرَسْنَا اُورُوهُ حَاضِرٌ دَلَّ بِهٖ۔ نمازی
 کَانَ لَمَّا كَرَسْنَا بِهٖ۔ نماز میں اللہ تعالیٰ اپنے بند کے کس طرح یاد فرماتا ہے۔
 اسرار صلوٰۃ میں یہ بھی ہے کہ چونکہ عالم کا وجود ایک عقلی حرکت تجلی الہی
 سے ہے جو عالم کو عدم اضافی یعنی علم سے وجود کی طرف منتقل کرتی ہے تو نماز
 بھی جمیع حرکات کو شامل و عام ہے۔ حرکات تین قسم کے ہیں۔ حرکت مستقیم اور
 وہ نمازی کی حالت قیام میں ہوتی ہے۔ اور حرکت افقی اور وہ مصلیٰ کی
 رکوع کی حالت میں ہوتی ہے۔ اور حرکت منکوسہ سرنگوں حرکت۔ وہ
 حالت سجدہ مصلیٰ میں ہوتی ہے۔ پس انسان کی حرکت مستقیم ہے اور حیوان
 کی حرکت افقی ہے اور حرکت نبات کی منکوسہ ہے چھاد کو تو حرکت ذاتی چہی
 نہیں۔ اگرچہ حرکت کرتا ہے تو بال غیر حرکت کرتا ہے۔ دوسرا اُس کو متحرک
 کرتا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا وَجُعِلَتْ قَرَّةٌ عَلَيَّ فِي الصَّلَاةِ مِثْرِي
 آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کر دی گئی ہے۔ آپ نے جُعِلَتْ فعل مجہول فرمایا
 فعل کو اپنی طرف منسوب نہ فرمایا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی تجلی مصلیٰ کے لیے
 حق تعالیٰ کی طرف راجع ہوگی نہ کہ مصلیٰ کی طرف۔ اگر قرۃ عین کی صفت
 و کیفیت اپنے لیے نہ فرماتے۔ تو حق تعالیٰ آپ کو حکم دیتا کہ بغیر تجلی حق کے
 نماز پڑھیں۔ کیونکہ تجلی بھی آپ کے لیے بطور امتنان کے تھی۔ یعنی ابتدائی
 اور کسی عمل کے مقابل نہ تھی۔ تو یہ مشاہدہ بھی بطور امتنان کے تھا۔ اسی لیے
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَجُعِلَتْ قَرَّةٌ عَلَيَّ فِي الصَّلَاةِ
 یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ محبوب کے مشاہدے کے سوا محب کی آنکھ ہرگز ٹھنڈی
 نہیں ہوتی عاشق کی آنکھ محبوب کے دیدار کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھتی نہ کسی نفس کی سورت میں۔
 نہ کسی اور شے میں۔ اس لیے مانعت کی گئی ہے کہ نماز میں التفات نہ کرے یعنی ادھر ادھر
 نہ دیکھے التفات سے شیطان بندے کی نماز اچک لیتا ہے سچ تو یہ ہے کہ
 اگر اللہ کر محبوب سمجھتے تو نماز میں قبلے کو چھوڑ کر ادھر ادھر کیوں مڑ کر دیکھتے۔

آدمی اپنے حال سے زیادہ واقف ہوتا ہے کہ یہ عبادت خاص اس مرتبہ
 و شہود پر ہے یا نہیں فان الانسان على نفسه بصيرة ولو القى معاذيره
 آدمی اپنا حال خوب جانتا ہے۔ اپنے نفس کے باطن سے خوب واقفیت
 رکھتا ہے۔ اگرچہ لاکھ باتیں بنائے۔ عذر و معذرت کرے۔ اپنے جھوٹ سچ کو
 خوب تیز کرتا ہے۔ کوئی شخص اسے اپنے حال سے جاہل نہیں رہتا۔ کیونکہ
 حال اُس کا ذاتی امر ہے۔

پھر یعنی حقیقت صلوٰۃ کی دو قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو حکم دیتا ہے کہ
 اُس کی صلوٰۃ و نماز پڑھیں اور یہ بھی فرمایا کہ وہ بھی ہمارے لیے صلوٰۃ و حرمت
 فرماتا ہے۔ پس صلوٰۃ طرفین سے ہے ہماری طرف سے بھی اور اُس کی
 طرف سے بھی۔ وہ صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اُس کا نام ہی جدا ہوتا ہے۔ اُس کی
 تجلی وجود بندے کے بعد ہوتی ہے۔ اور وہ ایک لحاظ سے عین حق ہے۔
 اس تجلی کو بندہ اپنے دل میں پیدا کرتا ہے۔ خواہ بنظر فکری یا قلبی۔ وہ
 معبود اعتقادی اپنے محل کی استعداد کے لحاظ سے نوع بنوع کلہ ہوتا ہے۔
 کسی نے جنید سے پوچھا معرفت خدا کیا ہے؟ اور عارف کون ہے؟ تو فرمایا
 لَوْنُ الْمَاءِ لَوْنُ اِنَاثٍ یعنی پانی کا رنگ وہی نظر آتا ہے جو ظرف کا رنگ ہوتا ہے۔
 یہ ایک درست جواب ہے جو واقع کے مطابق ہے۔ نفس الامری ہے یہ
 تجلی الہی ہے جو ہم پر صلوٰۃ و حرمت نازل فرماتی ہے۔ ہمارے اعتقاد کے مطابق
 اور ہمارے اعتقاد کے بعد ہوگی۔ اور ہم جب صلوٰۃ و نماز پڑھیں تو ہمارا نام
 دوسرا ہی ہوگا۔ اور ہم اس مقام میں ایسے ہوں گے جیسے مصلی ہونے کی
 صورت میں تجلی الہی آخر تھی۔ پس ہم حق تعالیٰ کے پاس اپنے حسب حیثیت
 ہوں گے۔ وہ ہم پر نظر فرمائے گا تو ہمارے عقیدے کے موافق۔ اس
 واسطے کہ مصلی میدان سابق۔ اور گھوڑ دوڑ میں سابق کے بعد ہوتا ہے۔
 عربی میں گھوڑ دوڑ کے پہلے گھوڑے کو سابق۔ دوسرے کو مجلی۔ تیسرے کو
 مصلی کہتے ہیں۔ ان تین گھوڑوں کو انعام ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 كُلُّ قَدِّعٍ صِلَاتٍ وَ تَبِيْعٍ ہر ایک جاننا ہے اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو۔

یعنی ہر ایک جانتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت کرنے میں ناقص و متاخر ہے جو دست پنجم تسبیح و تنزیہ بھی کرتا ہے۔ تو ایسی کہ اُس کی اعتقاد کے لائق ہے۔ ہر ایک تسبیح کرتا ہے۔ اپنے رب علیم و غفور کی حمد کے ساتھ۔

ہی وجہ ہے کہ ہم عالم کے تمام افراد کی بالتفصیل تسبیح نہیں سمجھتے۔ یہاں ایک اور صورت بھی ہے کہ ان میں شیعنی اَلَا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہِ میں مجاہدہ کی ضمیر شے کی طرف پھرے۔ اُس وقت یہ معنی ہوں گے کہ کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ اپنی حمد کے ساتھ۔ یعنی وہ حمد و ثنا جو خود اس تسبیح کرنے والے کی۔ جس طرح کہ ہم نے اعتقاد رکھنے والے کے متعلق کہا۔ کہ وہ اُس معبود کی حمد و ثنا کرتا ہے جس کا وہ اعتقاد رکھتا ہے۔ اور جس سے خود کو وابستہ کیا ہے۔ چونکہ معبود اعتقادی مستقد کا بنایا ہوا ہے۔ ایسے مصنوعی دیوتا کی تعریف حقیقت میں خود کی تعریف ہے۔ اس نے خود اپنی ثنا و صفت بیان کی کیونکہ مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف ہے۔ مصنوع کا حسن و قبح صانع کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اعتقادی معبود اُس کے دیکھنے والے کا مصنوع ہے۔ اُس کی صفت ہے۔ اپنے اعتقادی معبود کی ثنا و صفت کرنا خود کی ثنا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ آدمی دوسروں کے اعتقادی معبود کی مذمت کرتا ہے۔ اگر منصف مزاج ہوتا تو مذمت نہ کرتا بلکہ معبود خاص کا عابد ہمیشہ جاہل رہتا ہے۔ وہ دوسروں پر اعتراض کرتا ہے۔ اپنے عقیدے کے خلاف ہونے کی وجہ سے۔ اگر وہ جنت کے اس قول کو سمجھتا لَوْنَ الْمَاءِ لَوْنَ اِنَّا لَہِ۔ ہر معتقد کے معبود خیالی کو بھی تسلیم کر لیتا۔ اور ہر صورت میں حق کو جانتا۔ ہر معتقد ایک قسم کا ظن رکھتا ہے۔ اُس کو حقیقی علم ہی کب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِنِیْ فِیْ مِیْرَابِنْدَہِ میرے متعلق جیسا گمان کرتا ہے میں ویسا ہی اُس کے پاس رہتا ہوں؛ یعنی اُس کے اعتقاد کے مطابق ظہور کرتا ہوں۔ چاہے مطلق رکھے یا مقید سمجھے کہ اُس کو حدود گھیر لیں۔ یہ وہی معبود ہے جس کی سلامتی بندے کے دل میں ہے۔ کیونکہ معبود مطلق کسی ایک میں نہیں سماتا۔ کیونکہ وہ بندہ خاص کا بھی معبود ہے۔

جذوبیت مہتمم

اور سب کا بھی عین سچہ لوہے کو کہا نہیں جاتا کہ وہ خود کو سنا ہے یا نہیں
 سنا۔ قَا فَاَنْهَمَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَيَهْدِي السَّبِيْلَ۔

صحف نامہ

فصوص الحکم (اردو)

بعد طبع کتاب اکثر اصلاحات مندرجہ ذیل منجانب مترجم صاحب بطور ترمیم عمل میں آئیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۵ (منقذ)	۴	منذ	منذ	۲ (من)	۲	بصعد الکلم	بصعد الکلم
۷	۱۱	الخذاء	الخذاء	۱۳	۲۰	لگا دیے	لگا دیے
۹	۶	فارص	فارص	۱۸	۱	رہے	رہے
۱۱	۴	عناقے مغرب	عناقے مغرب	۵ (من)	۱۱	تبلیغ جو	تبلیغ جو
۱۳	۸	سہیل	سہیل	"	۱۵	بالعرض	بالعرض
۱۷	۲۲	تورڈی	تورڈی	"	۲۴	معنی ہوتے ہیں	معنی ہوتے ہیں
۲۱	۳	وہ شے	وہ ہر شے	۲۶	۴	لیں	لیں
۲۲	۲۰	ثابت	x	۲۷	۲	عطا یا	عطا یا
"	"	پر ہے	پر ثابت ہے	۲۸	۴	جن کے بعد وقوع آدھی	جن کے بعد وقوع
۲۷	۱۱	انتزاع	منتزع	"	۱۳	اور	x
۲۸	۲۱	کیونکہ	نیکوں کے	"	۱۳	نہ	x
۲۹	۹	ہیں	ہیں	۲۹	۱	مطلوب و	مطلوب
"	۱۷	یہ کہ	نہ یہ کہ	۳۱	۱۶	جس	جن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۲	۴	واحدیت	و اَحدیت	۴۹	۱۲	وجہ	X
"	۱۵	اپنی	تری	۵۰	۱۸	ہوتی	ہوتا
"	۲۰	تو ہرگز	تم ہرگز	۵۲	۱۸	مرا یا ر	مرا یا
۳۴	۱۶	طلائی اونٹوں	طلائی اینٹوں	"	۱۹	سرے آپے گے	سرے آگے
۳۶	۷	آب در گل	آب و گل	۵۴	۲	ناظر آ	ناظر آ
۳۸	۹	شے	X	"	۳	ایسے	X
۳۹	۲۲	نشاے	نشاو	"	۴	ے	کے
۴۰	۱۵	مشاہدہ	مشاہدہ سے	"	۱۸	معرف	معرف کا ہے
"	۱۶	سے	X	۵۶	۱۲	وسیلہ	وسیلہ
۴۲	۵	بیید	بیید ہے	"	۱۸	ثانیہ	ثانیہ
"	۱۵	ہی	X	"	۱۹	والتنز	والتنز
۴۵	۹	ے	X	"	۲۵	اطلاق	تمام اطلاق
۴۶	۱۳	عالم	عالم کے	۵۸	۱	خالقہ	خالقہ
۴۷	۸	مجسم	تجسیم	۶۰	۲۱	ہذا	ہذا
"	۱۰	تمام	الشر تمام	۶۲	۱۱	اور	اور اہل
"	۲۲	تاویل	تاویل -	۶۳	۴	متیقوں لو	متیقوں کو
۴۸	۲	صم	صمم	۶۴	۱۶	طبیعت	طبییب و
"	۴	نہیں	X	۶۵	۱۸	ے	X
"	۵	مثبت	المثبت	۶۶	۵	حیرت	چیز
"	۶	گاہ	گاہ	"	۲۵	کہ	X
"	۹	ثم النقش	ثم النقش	۶۹	۱۰	یقین	تقین
۴۹	۵	کا	کی	"	۱۲	جبین	جنین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۷۰	۱۴	موصیلیہ	موصیلیہ	۹۰	۱۹	محبودت	محبودیت
۷۴	۲۳	میاتیات	یاسیات	۹۱	۱۲	محبوبین	محبوبین
۷۵	۲۱	کے لیے	کو	۹۲	۴	میں	میں تھا
۷۶	۱	یلندتر	بلندتر	"	۶	کرتا ہے جو	کرتا ہے جو جانتا ہے
۷۷	۷	یا	x				اور
"	"	علی	حلا	۹۳	۱۱	افاضہ	افاضہ و
"	۹	علی عنہ	علا عنہ	"	۱۴	اعیان	اعیان و
۷۸	۲۱	حدقت	حدثت	"	۱۵	اور آئینے	آئینے و
۷۹	۱۲	طبیعت	طبیعت	"	۱۶	ہے	ہے
۸۱	۹	سمجھ	سمجھ	۹۴	۲	لا	لا
"	۲۰	جہثیت	جہثیت	"	۳	وجود تو الی	وجود تو الی
۸۲	۴	بذل الی	بذل الی	"	۱۰	وا	وا
"	۸	علوم مکانت	علوم مکانت	"	۱۱	لا	لا
۸۷	۱	مہیمیہ	مہیمیہ	"	۱۴	کو	گو
"	۵	مجبلی	مجبلی	"	۱۸	لِذَٰلِكَ	لِذَٰلِكَ
۸۸	۴	تسریان	تسریان	"	"	حدانی	حدانی
"	۱۶	"	"	"	۲۲	بدا	بدا
"	۲۴	برجع الامر	برجع الامر	"	۲۳	ثابت	ثابت
۹۰	۱۳	ہم صرفت	ہم صرفت	۹۵	۱۸	کسانی	کسانی
"	۱۶	اور یہ اختلاف.....		۹۶	۴	منظہر ہے	منظہر ہیں
		 مراد ہے	x	۱۰۰	۱۰	تعبیر	تعبیر
		لے رہے ہیں		"	۱۱	اصفاث	اصفاث

صنوع	سطر	فاط	صمیع	سنو	سطر	فدا	صمیع
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۱۰۱	تو	توس	۱۰۰	۲۵	۱۰۱	تو	۱۰۱
۱۰۲	تو	تو	۱۰۲	۱۲	۱۰۲	تو	۱۰۲
۱۰۳	ناظرہ	ناظرہ	۲۳	۲۳	۱۰۳	ناظرہ	۱۰۳
۱۰۴	حس طرح	حس طرح	۲۵	۲۵	۱۰۴	حس طرح	۱۰۴
۱۰۵	شار	شار	۲۳	۱۰۵	۱۰۵	شار	۱۰۵
۱۰۶	بسیئت	بسیئت	۲۳	۱۰۶	۱۰۶	بسیئت	۱۰۶
۱۰۷	الامر	الامر	۱۹	۱۰۷	۱۰۷	الامر	۱۰۷
۱۰۸	عارف	عارف	۱۹	۱۰۸	۱۰۸	عارف	۱۰۸
۱۰۹	او	او	۱۲	۱۰۹	۱۰۹	او	۱۰۹
۱۱۰	الذی فا	الذی فا	۱۹	۱۱۰	۱۱۰	الذی فا	۱۱۰
۱۱۱	نفس	نفس	۲	۱۱۱	۱۱۱	نفس	۱۱۱
۱۱۲	تو	تو	۲۵	۱۱۲	۱۱۲	تو	۱۱۲
۱۱۳	خدا	خدا	۳	۱۱۳	۱۱۳	خدا	۱۱۳
۱۱۴	آتم مفصل	آتم مفصل	۲۵	۱۱۴	۱۱۴	آتم مفصل	۱۱۴
۱۱۵	خدا	خدا	۱۱	۱۱۵	۱۱۵	خدا	۱۱۵
۱۱۶	جلت	جلت	۱۳	۱۱۶	۱۱۶	جلت	۱۱۶
۱۱۷	نے	نے	۱۹	۱۱۷	۱۱۷	نے	۱۱۷
۱۱۸	مکی	مکی	۱۹	۱۱۸	۱۱۸	مکی	۱۱۸
۱۱۹	س	س	۱۹	۱۱۹	۱۱۹	س	۱۱۹
۱۲۰	کلیع	کلیع	۱۸	۱۲۰	۱۲۰	کلیع	۱۲۰
۱۲۱	لینا	لینا	۲۰	۱۲۱	۱۲۱	لینا	۱۲۱

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۳۷	۱۷	غلام	لام	۱۵۶	۱۷	میں	میں
۱۳۹	۲۱	امنوا لہا	امنوا لہا	"	۱۸	ہم کو	ہم اس کو
۱۴۰	۱۳	نظلم	يَظْلِمُ	"	۲۳	تو	پر تو
۱۴۱	۲	اپنے	اپنا	۱۵۷	۹	جیسا	جیسا کہ
"	"	مندب	مغذّب	۱۶۰	۱۱	سورۃ	سورۃ
"	۲۰	ہرنی	ہونی	۱۶۲	۲	ہماری	ہمارا
"	۲۳	ے	نے	۱۶۸	۸	رحمت کے	ہر موجود رحمت کے
۱۴۲	۲	ماوجودو	باوجود	۱۷۰	۲۳	علوم	علم
"	۵	منجبلہ	منجملہ	۱۷۱	۷	ہے	ہیں
"	۶	مسئلہ	مسئلہ	"	۱۰	اُھلکُتْ	اُھلکُتْ
"	۱۳	ممکنات کی	ممکنات کا	"	"	بالدبور	بالدبور
۱۴۳	۲	دک	نہ کہ	"	"	فَنسُوقُ	فَنسُوقُ
۱۴۴	۱۳	شِیْنِی	شِیْتَنِی	۱۷۲	۵	دیا ہے	دیا گیا ہے
۱۴۵	۱۸	والارض غیب	والارض الغیب	"	۱۰	شہرگ	شہرگ
۱۵۲	۱	والمفیسۃ	والمفیسۃ	۱۷۳	۲۱	خبر	خبر
"	۸	نظر آنا	نظر آتا	۱۷۴	۷	مہربات	مہربات
"	۹	چیز تھی	چیز تھا	"	۲۵	خیریت	خیریت
۱۵۵	۸	میں	میں	۱۷۵	۱	"	"
"	۲۰	جس	جس	۱۷۹	۱۲	تھارے	تھارے
"	۲۴	ایک سات اور گنا	۴۹ کروڑ گنا	۱۸۲	۱	وہاں	وہیں
۱۵۶	۸	ظِلّ	الظِّلّ	۱۸۸	۴	الہی اور	الہی
"	۱۶	دیتی	دیتا	"	۹	لی	کی

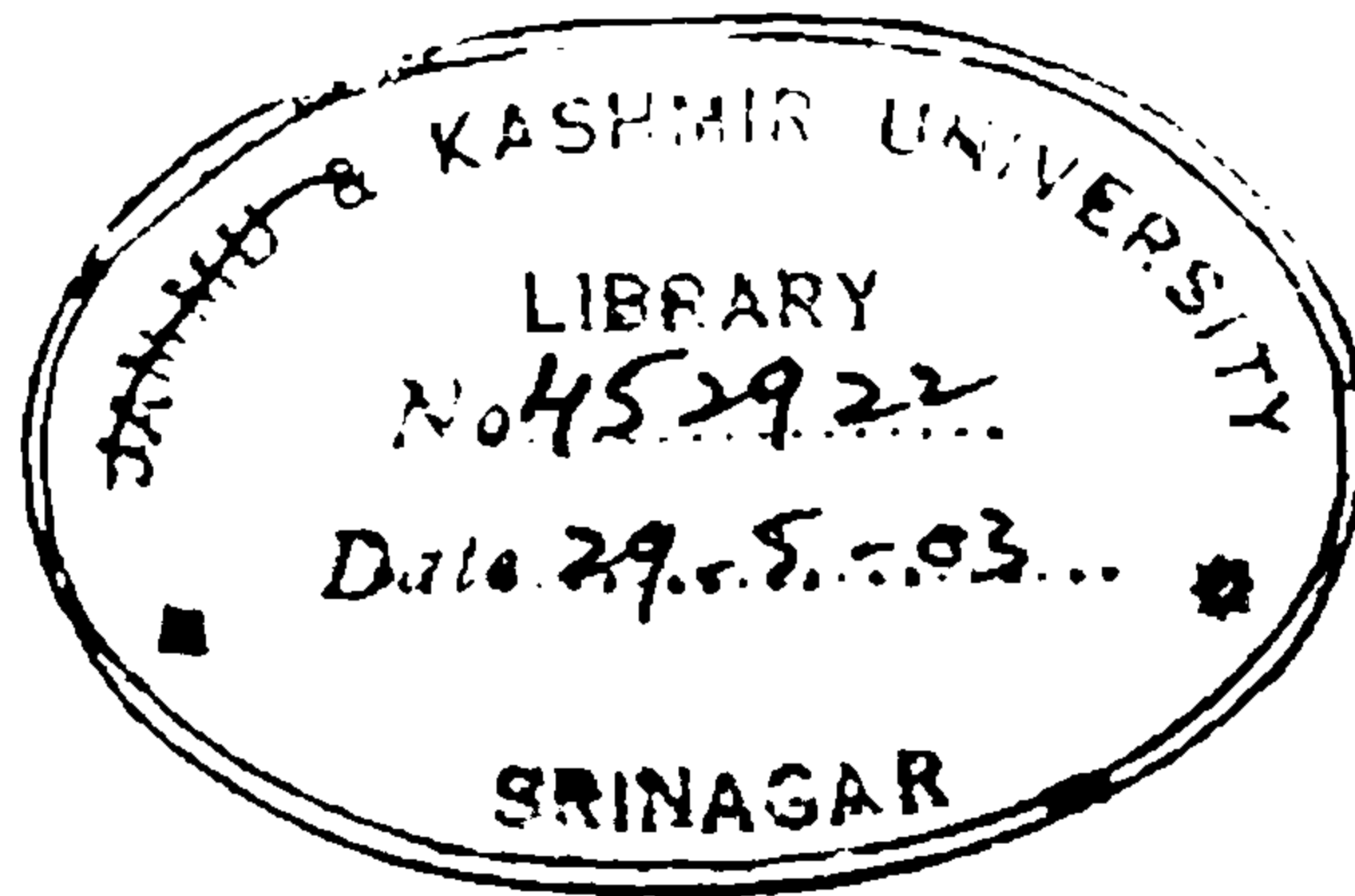
صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۹۰	۱	کَلَّ	کُلَّ	۲۱۱	۳	وہ گمان	وہ جس کا گمان
۹۱	۱	غُیُوبِهِ	غُیُوبِهِ	"	۱۸	اس کے حقیقہ سے	اس کے حقیقہ سے
۹۲	۶	اس لیے	اس لیے کہ	"	۲۲	کشف و غطا	کشف و غطا
۹۳	۷	حاشیے اور ۳	حاشیے (۱)	۲۱۳	۵	للس	للس
۹۴	۴	جیسا	جیسا کہ	"	۷	سوقسطائیہ	سوقسطائیہ
۹۵	۱۳	کَلَّتِ	کَلَّتِ	"	۸	جس	جس
۹۶	۱۲	اوسطاً	اوسط سے	"	"	عقلاً	عقلاً
۹۷	۱۵	برجستہ	برجستہ	"	۲۱	حیوان کیا	حیوان کیا ہے
۹۸	۱۴	کَلَّتِ	کَلَّتِ	"	۲۲	نمو۔ جس	نمو۔ جس
۹۹	۱۷	ہوگا	ہوں گے	۲۱۴	۵	متتمیز	متتمیز
۱۰۰	۱۵	یُسْنَع	یُسْنَع	"	۷	یا گھر	یا گھر
۱۰۱	۲۵	ہو رہا	ہو رہی	"	۱۰	جسم میں	جسم میں
۱۰۲	۱۷	مالوہ	مالوہ کا	"	۱۲	زمانین	زمانین
۱۰۳	۱۲	ہیں	ہیں	۲۱۷	۶	قوی	قوی
۱۰۴	۸	اپنی	کی	۲۱۸	۲	معین	معین
۱۰۵	۷	سراب	سراب	"	۳	قرب	قرب
۱۰۶	۹	أَيُّفُلْ	أَيُّفُلْ	"	۹	اگر	اگر
۱۰۷	۴	ال	ال	"	۱۷	رہی	رہی
۱۰۸	"	إِلَہِ	إِلَہِ	"	۲۴	ترک ارادہ یا	ترک ارادہ یا
۱۰۹	۴	رسل	رسل	۲۱۹	۱	ملکیہ	ملکیہ
۱۱۰	۲۳	شاخص	شاخص	"	۴	ملک	ملک

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۱۹	۶	نیزہ	نیزہ	۲۲۷	۸	نیزہ	نیزہ
۲۲۰	۸	زکن	زکن	۲۲۸	۱۰	زکن	زکن
۲۲۱	۱۵	دیں گے	دیں گے	۲۲۹	۷	دیں گے	دیں گے
۲۲۲	۱۶	قوت	قوت	۲۳۰	۱۰	قوت	قوت
۲۲۳	۲۳	الحویۃ	الحویۃ	۲۳۱	۱۰	الحویۃ	الحویۃ
۲۲۴	۶	الفقرا	الفقرا	۲۳۲	۲۳	الفقرا	الفقرا
۲۲۵	۴	ایسا	ایسا	۲۳۳	۲	ایسا	ایسا
۲۲۶	۲۲	اگر	اگر	۲۳۴	۱۱	اگر	اگر
۲۲۷	۲۳	فرماتا ہے	فرماتا ہے	۲۳۵	۱۶	فرماتا ہے	فرماتا ہے
۲۲۸	۵	جاتا ہے	جاتا ہے	۲۳۶	۸	جاتا ہے	جاتا ہے
۲۲۹	۱۵	کرتا ہے	کرتا ہے	۲۳۷	۱۵	کرتا ہے	کرتا ہے
۲۳۰	۱۷	دین کہ	دین کہ	۲۳۸	۱۸	دین کہ	دین کہ
۲۳۱	۲۲	نبی ہی	نبی ہی	۲۳۹	۹	نبی ہی	نبی ہی
۲۳۲	۲۳	معاملہ	معاملہ	۲۴۰	۱۴	معاملہ	معاملہ
۲۳۳	۸	غریب	غریب	۲۴۱	۱۳	غریب	غریب
۲۳۴	۱۹	منظہر	منظہر	۲۴۲	۱۸	منظہر	منظہر
۲۳۵	۲۰	عریہ	عریہ	۲۴۳	۷	عریہ	عریہ
۲۳۶	۱۲	ہوتا	ہوتا	۲۴۴	۱۴	ہوتا	ہوتا
۲۳۷	۱۶	جب	جب	۲۴۵	۲۲	جب	جب
۲۳۸	۱	کرتے ہیں	کرتے ہیں	۲۴۶	۲۵	کرتے ہیں	کرتے ہیں
۲۳۹	۱۱	کون سی	کون سی	۲۴۷	۱۱	کون سی	کون سی
۲۴۰	۱	کونی	کونی	۲۴۸	۱۱	کونی	کونی

صفحہ	سطر	نقطہ	صحیح	صفحہ	سطر	نقطہ	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۶۰	۷		یَصَحَّ	۲۹۳	۱۲	سے	×
"	۱۵		أَمَّنَا	۲۹۵	۱۲	انسان عالم	انسانی عالم
۱۶۱	۱		خوار کہتے ہیں	۲۹۶	۲۱	تجدید خلق	تجدید خلق
"	۲		رُغَاء	"	۲۲	تقدم	×
"	۲۲		کلمۃ	۲۹۸	۲۵	ارل اللہ	ایسے اہل اللہ
۲۶۲	۱۶		بنظاہر	۲۹۹	۲	جائے گا	جائے گا
"	۲۳		بطور آئے	۳۰۰	۷	فسخ فاہ	فسخ فاہ
۲۶۵	۲		کی نسبت	۳۰۸	۸	بڑا کرم ہے	اللہ کا بڑا کرم ہے
۲۶۷	۵		علم ہوتی	۳۰۹	۱۵	بالوار	بانوار
۲۷۰	۷		کا	۳۱۲	۲	سے	نے
"	۱۱		شخص	"	۱۱	کی	کی کہ
۲۷۳	۲۲		و اچھی	۳۱۵	۵	بس	بس
۲۷۶	۵		مکلف	۳۱۶	۳	اسالت	رسالت
"	۶		"	۳۱۷	۱۰	دیکھے ہیں	رکھا ہے
"	"		×	"	۲۰	ایک	صرف ایک
۲۷۷	۱		ام رقیب	۳۱۸	۲۰	اور نہ کہ خود	اور نہ خود
۲۷۸	۵		رہے	۳۲۳	۵	جسم ہیں	جسم ہیں - یہ تو
۲۸۰	۹		تجاوز	۳۲۵	۲	تو بھی	تو تو ہی
۲۸۳	۹		خاص ہے	"	۱۹	ماسوا اللہ	ماسوا اللہ
۲۸۷	۱۳		اور یہ کیونکر	"	۲۰	فتنا میں	فتنا میں
۲۸۹	۸		الظاہر	۳۲۷	۱۷	ہوتی ہے	ہوگی
۲۹۰	۱۰		بلکہ	۳۳۱	۵	فطرت	فطرت کے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۳۱	۶	مَحْتَجَّ	حَتَّى	۳۹۵	۱۵	لکھا دل گا	لکھوں گا
۳۳۵	۱۲	رکھتے	کہتے	۳۹۶	۷	تصرف	تصرف
۳۳۹	۹	اس سے	اس سے زیادہ	"	۲۵	جس سے	جو
"	۲۵	اِذِی	اِذِی	۳۹۹	۵	نکلے گا	نکلے گا
۳۴۵	۲۰	یہی معجزہ وہ	وہ معجزہ	"	۷	ہدایت	ہدایت
۳۴۹	۳	وُسِیْعَت	وَسِیْعَت	۴۰۰	۱	ادب و	باوجود
۳۵۳	۱۵	مُشَاِے	مُشَاِے	"	۲۵	بنے	ہے
۳۵۴	۲۱	الترجحة	الترجحة	۴۰۱	۱۲	الصنة	اللجنة
۳۵۵	۲۴	رجعت	رحمت	"	۱۸	یرو	یروا
۳۶۵	۹	ہوتا ہے	ہوتا ہے وہ	"	۲۱	رب	رب ہمارے
"	۱۶	رسول	رسل	۴۰۳	۸	بنے	بند
۳۶۷	۲۲	مثلاً	X	"	۱۹	لو کا قتل	لو کا قتل
۳۶۸	۳	شک کہ	شک ہے کہ	۴۰۴	۱	د۔ یا	دریا
۳۶۹	۱۹	حق	حق	"	۲۵	اِنْ	اَنْ
۳۷۰	۲۴	ہوتے	ہوتے ہیں	۴۰۷	۵	کیونکہ	کہ
۳۷۵	۴	لجده	اجمعه	"	۲۵	منذ الله	عند الله
۳۷۹	۲۴	الوہیت	الوہیت	۴۱۰	۴	ضروری تر سے	ضروری سے
۳۸۶	۵	بنالے	بنالیں	۴۱۱	۲۰	و	اور
"	۱۲	ہستے ہیں	رہتے ہیں	۴۱۳	۷	اگر	اگر
"	۲۳	ان جنگ	ان سے جنگ	"	۱۹	سچے ہو	اگر سچے ہو
۳۸۸	۴	درے	دریستے	"	"	دکھلاؤ۔ لاؤ	دکھلاؤ
۳۹۰	۳	کہتے	کہتے ہیں	۴۱۴	۸	موسیٰ نے	موسیٰ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۱۴	۲۴	عہدے منصب	عہدہ منصب	۲۲۵	۱۱	منتہیات	مُنتہیات
۴۱۵	۹	کاٹ دے	کاٹ دئے	۲۲۷	۱۰	تَعْلَمَ	تَعْلَمَ
"	۲۱	مایا یتیم	مایا یتیم	۲۳۰	۱۷	کیونکہ	کیونکہ
۴۱۷	۱۱	مجات	مجات	"	۲۲	انکہ	انکہ
"	۱۸	مرف	مرف	۴۲۲	۲۵	صلواتِ نسجیہ	صلواتِ نسجیہ
۴۲۱	۵	ہیں	ہیں کہ				





**ALLAMA
IQBAL LIBRARY**

UNIVERSITY OF KASHMIR

**HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN**